3/

هٰذا بلاغ للناس

ماہنامہ

البلاغ

دارالعلوم کراچی

سرپرست

حضرت مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان

ادارہ

محمد تقی عثمانی

خلیل الرحمن نعمانی مظاہری
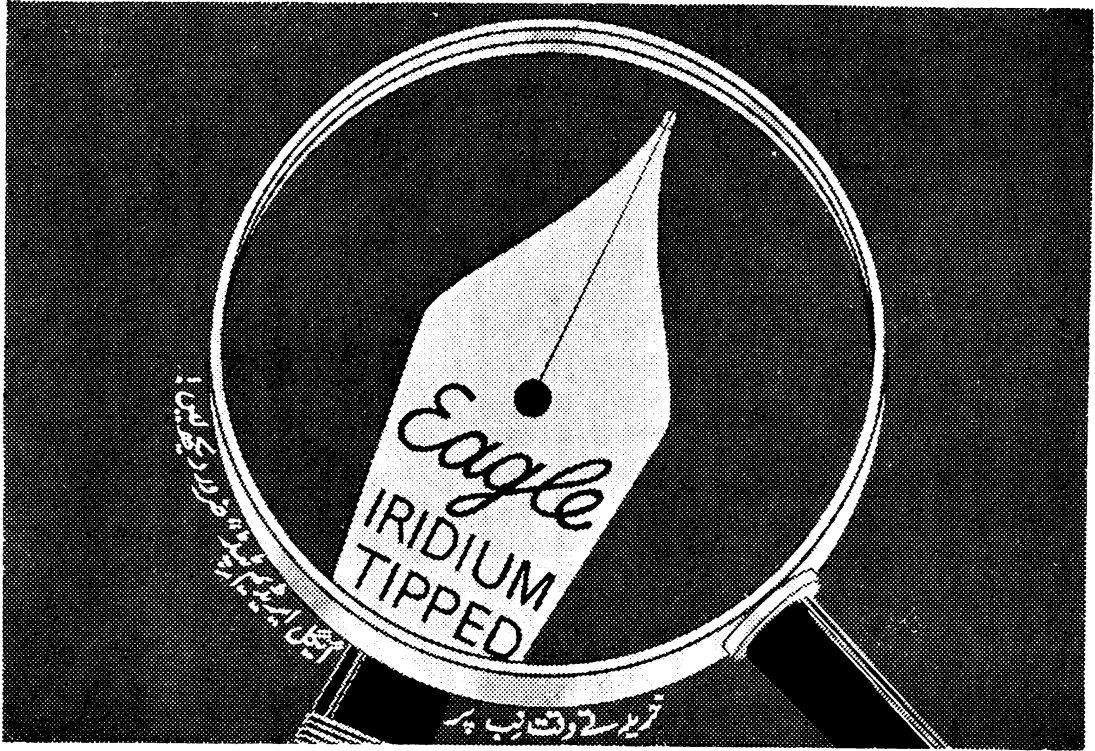
Eagle
IRIDIUM
TIPPED

مدیر اعلیٰ :

محمد تقی عثمانی

استاذ دارالعلوم، کراچی،

مدیر انتظامی :

خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

ناظم نشر و اشاعت دارالعلوم کراچی

جلد :— ۱ • ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ • جولائی ۱۹۶۷ء • شمارہ :— ۴

فی پرچہ : ۶۲ نئے پیسے - سالانہ : چھ روپے - غیر ممالک سے : ایک پونڈ سالانہ - بذریعہ ہوائی ڈاک : دو پونڈ سالانہ

ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ : مولانا ظہور الحسن صاحب، خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر

ڈاک کا پتہ :

البلاغ : دارالعلوم کراچی : ۱۴، فون : ۳۸۱۱۷

ترتیب

اپنی نماز درست کیجئے ــــــ ۲۰ و وفاداری ــــــ ۳۵

مفہوم جہاد فلسطین ــــــ ۵۲

ذکر و فکر

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونبابہ بار!

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا ! !

اور

درود و سلام اس کے پیغمبر پر جنھوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا ! !

بالآخر اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کو شکست ہوگئی، عرب ممالک جو مقبوضہ فلسطین کو اسرائیل کے چنگل سے آزاد کرانے کا عزم لیکر چلے تھے، خود اپنے خطۂ زمین سے چوبیس ہزار مربع میل کا علاقہ کھو بیٹھے، بیت المقدس —— ہمارا قبلۂ اول —— ہمارے ہاتھوں سے چھن گیا۔ مسجد اقصیٰ جو دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آواز سے گونجا کرتی تھی، آٹھ سو سال کے بعد یکلخت خاموش ہوگئی، فلسطین کی مقدس سرزمین جہاں کم و بیش ایک لاکھ انبیاء علیہم السلام کے سانسوں کی مہک آج بھی موجود ہے، اس بدطینت قوم کی شکارگاہ بن گئی جس کی لغت میں امن و انصاف اور اخلاق و شرافت کے نام کا کوئی لفظ نہیں ہے، صحرائے سینا جو کبھی یہودی قوم کے لئے "میدان تیہ" بنا تھا، آج وہاں اسرائیل کے فاتح ٹینک دندنا رہے ہیں، کوہِ طور جسے باری تعالیٰ کی تجلی کا شرف حاصل ہوا تھا، اور جس کے دامن میں یہودیوں پر عذاب الٰہی کے کوندے لپکے تھے، آج اسی کوہِ طور پر "نجم یہود" کا پرچم لہرا رہا ہے، شام، اردن اور بیت المقدس کی وہ سرزمین جسے قرآن کریم نے ہمیشہ "ارض مبارکہ" اور "ارض مقدسہ" کے نام سے یاد کیا ہے آج وہی "ارض مبارک" قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے، وہاں (بزعم خود) خدا کے محبوب بیٹے اپنی سنگینوں کی نوک سے وحشت و بربریت کا ایک نیا باب لکھ رہے ہیں، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے، ان کے گھربار چھینے جارہے ہیں، ان کی عصمتیں لُٹ رہی ہیں، انسانیت کا منہ نوچا جارہا ہے اور معاہدۂ جنیوا کو ظلم و ستم کی اس آگ کا ایندھن بنا لیا گیا ہے جو توحید کے فرزندوں کے لئے سلگائی گئی ہے۔

بلاشبہ یہ موجودہ عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ ہے جس پر آج ہر مسلمان کا دل بے چین اور آنکھ اشکبار ہے، الفاظ کے الٹ پھیر سے حقائق کا مفہوم نہیں بدلا کرتا، ہمیں کھل کر اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ ایک زبردست شکست ہے، ایک ایسی شکست جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں نظر نہیں آتیں، کہ صرف اسی گھنٹے میں متعدد عرب ملکوں کی پوری طاقت تباہ و برباد ہوگئی، آٹھ ہزار مربع میل پر بسنے والے ملک نے چوبیس ہزار مربع میل فتح کرلیا۔ آٹھ سو سال کے بعد بیت المقدس سے ہاتھ دھو بیٹھنا کوئی ایسا زخم نہیں ہے جسے آسانی سے بھلا جاسکے، یہ زخم اس وقت تک ٹیسیں دیتا رہے گا جبتک کوئی صلاح الدین ایوبی اس پر مرہم رکھنے کیلئے

کھڑا نہ ہو۔

لیکن ہمارا ایمان یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی واقعہ اور کوئی حادثہ بلا وجہ نہیں ہوتا، ہر حادثہ کے پیچھے ظاہری اسباب وعوامل کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے، اسی طرح ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر حادثہ اپنے پہلو میں عبرت وموعظت کا ایک عظیم الشان درس لے کر آتا ہے یہاں ہر ٹھوکر سنبھلنے کے لئے لگتی ہے، اور ہر سانحہ بیدار کرنے کے لئے آتا ہے، زندگی کے پرپیچ راستوں پر وہی قومیں ترقی کی منزلیں طے کر سکتی ہیں جو ٹھوکریں کھا کر سنبھلنے کا ہنر جانتی ہوں اور ان کے سینوں میں اپنی شکست کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کی بجائے اپنی خام کاریوں کا فطری نتیجہ سمجھنے کا حوصلہ ہو۔

اس لئے ہمارا کام اس المناک سانحے پر حسرت وافسوس کے آنسو بہا کر ختم نہیں ہو جاتا، ہماری تاریخ کا یہ زبردست المیہ ہم سے کچھ سوچنے سمجھنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اگر ہم اس دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں ہمیں اس کا یہ مطالبہ پورا کرنا ہوگا۔ بلاشبہ عربوں کو موجودہ مختصر جنگ میں عبرتناک شکست ہوئی ہے، لیکن پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ حسرتناک شکست قدرت کا ایک تازیانہ ہے، اور اگر ہم نے اس تازیانے سے کوئی مفید سبق سیکھ لیا تو یہ شکست ایک شاندار فتح میں تبدیل ہو سکتی ہے، یہ آنسو بہا کر جی چھوڑ دینے کا موقعہ نہیں ہے، یہ عزائم کو تازہ اور امنگوں کو بیدار کرنے کا وقت ہے، یہ اپنی اُن خامیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لینے اور ان کے تدارک کے راستے تلاش کرنے کا وقت ہے، جن کی وجہ سے ہمیں یہ شرمناک دن دیکھنا پڑا، آیئے آج کی نشست میں اس شکست کے اسباب اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج پر غور کرنے کی کوشش کریں۔

ہمدردی کے سطحی اور ادپری جذبات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے عرب بھائیوں کی اس مصیبت کے وقت میں ان کی کسی ایسی غلطی کی کھل کر نشاندھی نہ کی جائے جو انہیں اس شکست کا موردِ الزام قرار دیتی ہو، لیکن ہمارے نزدیک اس طریقے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا، اور نہ یہ ان کی سچی خیر خواہی ہوگی، عالم اسلام کی اجتماعی بہبود کا تقاضا یہ ہے کہ اس موقعہ پر ان تمام غلطیوں کی کھل کر نشاندہی کی جائے جو اس شکست کا سبب بنی ہیں، اس لئے ہم اپنی آئندہ صاف گوئی پر اپنے بھائیوں سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں، اور چونکہ اس تلخ نوائی کا محرک خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں، اس لئے ہمیں امید ہے کہ یہ برادرانہ شکوے ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ سُنے جائیں گے۔ ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۷

قرآن وسنت اور قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ کسی قوم یا کسی ملت کو دنیوی سربلندی محض اس بناء پر نصیب نہیں ہوا کرتی کہ وہ آسمان سے عروج واقبال کا پیدائشی حق دنیا میں لے کر آئی ہے عادت اللہ شروع سے کچھ اس طرح جاری ہے کہ اس جُہد وعمل کی دنیا میں ہر ایک کو اس کی کوشش کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے، مسلمان بھی قدرت کے اس اٹل قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں، بلاشبہ ان کو "خیر الامم" کا قابل فخر خطاب عطا کیا گیا ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسلمان قوم اللہ کی محبوب ترین قوم ہے، یہ بات بھی اپنی جگہ تسلیم ہے کہ روئے زمین پر کوئی دین مسلمانوں کے دین کا ہمسر نہیں ہے، ——— لیکن ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ کوئی قوم صرف زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا دعوےٰ کر کے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اوج ثریا کو چھو سکتی ہے، اور اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے تب بھی ترقیوں اور

کامیابیوں کے ذمے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود آگر اس کے پاؤں چومیں۔

قرآن کریم اور تاریخ اسلام کا ایک سرسری مطالعہ بھی یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ مسلمانوں کو سربلند کرنے کیلئے تمام وعدے دو شرطوں پر موقوف رکھے گئے ہیں۔

۱ - صحیح معنی میں مسلمان بن کر اپنی زندگی کو ہر شعبے میں اسلام کے تابع بنالینا۔

۲ - ترقی کے ظاہری اسباب و وسائل جمع کرنے کی کوشش کرنا۔

یہ دو چیزیں وہ ہیں جن میں ہماری ترقی اور کامیابی کا راز مضمر ہے اور جن کو قرآن کریم نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایک طرف ارشاد ہے۔

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اور تم سربلند ہو، اگر تم مومن ہو

دوسری طرف فرمایا جاتا ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

اور ان (دشمنوں) کے لئے ہر قسم قوت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار کرو جن کی تم میں استطاعت ہے، اور جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے۔

تاریخ اسلام کے جس انقلاب پر آپ نظر ڈالیں گے، قرآن کریم کے ان ارشادات کی صداقت واضح ہوتی چلی جائیگی جہاں مسلمانوں نے سچا مسلمان بن کر ظاہری وسائل و اسباب جمع کرنے کی امکانی کوشش کی ہے، تو خواہ وہ اس کوشش کے باوجود دشمن کے مقابلہ میں کتنے ہی کم حیثیت کیوں نہ رہے ہوں، ہمیشہ فتح کا سہرا انہی کے سر بندھا ہے، شکست کی ذلت مسلمان کو صرف اس وقت اٹھانی پڑتی ہے جب وہ ان دونوں احکام میں کسی سے منہ موڑ بیٹھا ہو۔

بیت المقدس کی تاریخ

بیت المقدس ہی کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے تو ہمارے اس دعوے کی تصدیق سامنے آجائے گی، بیت المقدس کو سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اس زمانہ کے مسلمان حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے پیرو کار تھے، جبتک ان میں صلاح و فلاح اور جہد و عمل کے آثار باقی رہے صرف بیت المقدس ہی نہیں، حجاز اور یمن تک ان کے عروج و اقبال کا پرچم لہراتا تھا، اور بحیرۂ روم کے مشرقی کناروں سے لیکر افریقہ کے مشرقی ساحلوں تک ان کی ایک ہی حکومت تھی، لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کا بیٹا رحبعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر اپنے والد ماجد کی تمام روایات کو پس پشت ڈالدیا۔ اس کا فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک خادم یربعام نے مرکز کے خلاف بغاوت کرکے شمال میں اسرائیل کے نام سے ایک الگ سلطنت قائم کرلی، اب بنی اسرائیل جو اس زمانہ کے مسلمان تھے، دو حکومتوں میں بٹ گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم (بیت المقدس) تھا،

اس افتراق و انتشار کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کی جو عسکری قوت کبھی ملکۂ سبا کے دروازوں پر دستک دیا کرتی تھی اب باہمی خانہ جنگی میں صرف ہونے لگی، یہودیہ اور اسرائیل دونوں سلطنتیں سالہا سال تک ایک دوسرے سے لڑتی رہیں

بنی اسرائیل کی تاریخ میں ۹۳۵ ق م سے لیکر ۵۸۶ ق م تک کا پورا عرصہ ان خانہ جنگیوں کی دل خراش داستان ہے، ایک ایک جنگ میں بعض اوقات پانچ پانچ لاکھ بنی اسرائیل کا خون بہا، مگر اقتدار کی یہ رسہ کشی بند نہ ہوئی، دوسری طرف بنی اسرائیل کی اکثریت نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو بالکل پس پشت ڈال کر بت پرستی اور ستارہ پرستی شروع کردی حکمرانوں نے عیاشی پر کمر باندھ لی، اور علما میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر مذہبی اختلافات پھوٹ پڑے۔ اس دوران اللہ کی طرف سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام ہدایت کا اُجالا پھیلانے کے لئے تشریف لاتے رہے، مگر چند مختصر وقفوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کا زمانہ بداعمالیوں اور عیش پرستیوں میں بسر ہوا۔

قدرت کسی قوم پر اپنا قہر اور عذاب ایک دم سے نازل نہیں کرتی بلکہ پہلے اسے مختلف طریقوں سے جھنجھوڑتی ہے، چنانچہ اس موقعہ پر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے علاوہ بنی اسرائیل کو بیدار کرنے کے لئے ہلکے ہلکے تازیانے بھی لگائے جاتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد بیرونی طاقتیں ان پر حملہ آور ہوتیں اور ان کی سرحدوں کو مختصر کر کے واپس لوٹ جاتیں، کبھی مصر کا بادشاہ چڑھ آتا، کبھی صور کا حکمران حملہ کردیتا، کبھی آرام کا فرمانروا یلغار کرتا ہوا یروشلم تک پہنچ جاتا۔ لیکن یہ تمام حملے جزوی طور پر نقصانات پہنچا کر واپس چلے جاتے، بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے کہ بیرونی دشمن ہماری تاک میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فوجی قوت میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے لیکن ان کی آنکھ نہ کھلی، عیش و آرام کے خلوت کدوں کو چھوڑ کر عمل کے خارزاروں میں اترنا ان کے مزاج نازک کے خلاف تھا۔

حضرت آرمیا، حضرت شعیا اور حضرت حزقیل علیہم السلام انہیں متواتر جھنجھوڑتے رہے کہ خدا کے لئے اپنی حالت درست کرلو، بابل کا بادشاہ تمہاری چاردیواری تک پہنچ چکا ہے، اور اگر تمہیں ہوش نہ آیا تو تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا، مگر "بابر بعیش کوش" کے نغموں میں مست لوگ بابل کی طرف سے پیٹھ موڑ کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم مامون ہوچکے ہیں۔ اور یہودی علماء کو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم اللہ کی محبوب ترین قوم ہیں۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں۔ دشمن جب یروشلم کا رُخ کریگا تو آسمان کی غیبی طاقتیں اس پر بجلیاں برسائیں گی۔ اور وہ بھسم ہو کر رہ جائے گا۔

ان حالات میں ٹھیک اس وقت جبکہ حکام عیش و نشاط میں محو تھے، اور علماء اس بات پر مناظرے کر رہے تھے کہ ایک سوئی کے ناکے پر کتنے فرشتے بیٹھ سکتے ہیں؟ —— بابل کا جابر بادشاہ بخت نصر ان پر قہر خداوندی بن کر نازل ہوا۔ یروشلم (بیت المقدس) اور اس کے گرد و نواح سے بنی اسرائیل کا بیج مار گیا، اس کی فوج کیا تھی؟ ایک طوفان تھی، جس نے مزاحمت کی ہر دیوار کو ڈھا کر یہودیوں کی پوری سلطنت کو پیوند زمین کر ڈالا۔ اور ظلم و ستم کے ایسے ایسے اسلوب ایجاد کئے جنکا تصور ہی رونگٹے کھڑے کردیتا ہے، بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے ذبح کئے گئے، بادشاہ اور رہے سہے یہودی پابزنجیر بابل لیجائے گئے، اور پچاس سال تک بخت نصر کی غلامی میں حسرت و ندامت کے آنسو بہا کر اپنے دن کاٹتے رہے۔ قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل میں اسی قہر الٰہی کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

بَعَثْنَا عَلَيْهِمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

ہم نے ان پر اپنے کچھ بندے بھیجے جو شدید قوت والے تھے وہ گھروں میں گھوم گئے، اور یہ ہونے والا وعدہ تھا۔

اس زبردست طوفان نے بنی اسرائیل کی کچھ آنکھیں کھول دیں، ان کی غلامی کی زندگی پہلے کی بہ نسبت کافی پاکیزہ ہوچکی تھی، آپس کے اختلافات کم ہوگئے تھے، اور تمام لوگوں کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے، قدرت نے انہیں ایک اور موقعہ دیا۔ ۵۳۶ ق م میں ایران کا بادشاہ خسرو نے بابل پر چڑھائی کر کے اسے فتح کرلیا۔ اور بنی اسرائیل

پھر رحم کھا کر انھیں دوبارہ بیت المقدس تعمیر کرنے اور فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دیدی، چنانچہ ۵۱۵ ق م میں بیت المقدس دوبارہ آباد ہوا، اور بنی اسرائیل نے حضرت عزیر علیہ السلام کی موجودگی میں رو رو کر توبہ کی، اور آئندہ خدا کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کیا، کچھ عرصہ تک یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے، رفتہ رفتہ ان کی خوش حالی واپس آنے لگی، انھیں پھر حکومت تو نصیب نہ ہوسکی مگر مال و دولت اور وسائل و اسباب کی پھر فراوانی ہوگئی، اور عیش و مسرت کی زندگی پھر لوٹ آئی، قرآن کریم اسی نئی زندگی کا تذکرہ اس طرح فرماتا ہے۔

ثم رددنا لكم الكرة عليهم فأمددناكم بأموال وبنين وجعلناكم أكثر نفيرا

اس کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے انھیں یہ تنبیہ بھی فرمادی گئی کہ۔

"إن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم وإن أسأتم فلها"

(اب) اگر تم اچھے کام کروگے تو تمہارے لئے مفید ہوں گے اور اگر تم نے بدکاری کی تو اپنا ہی کچھ بگاڑوگے۔

لیکن نکوکاری کی یہ زندگی پائدار ثابت نہ ہوئی، خوشحالی بڑھی تو عیش و نشاط کی وہ محفلیں پھر لوٹ آئیں، بت کدے پھر آباد ہونے لگے، فارغ البالی نصیب ہوئی تو ایک دوسرے سے جھگڑنے کا مشغلہ پھر زندہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل پھر اسی حالت کو پہنچ گئے، جس میں ان پر بخت نصر کا عذاب نازل ہوا تھا، اس مرتبہ بخت نصر کی جگہ روم کے بادشاہ انتیوکس ایپی فانیس نے ۱۶۷ ق م میں بیت المقدس پر حملہ کرکے دوبارہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، تورات کے تمام نسخے چن چن کر جلا دیئے، بنی اسرائیل کو ایک ایک کرکے تہ تیغ کیا اور جو لوگ بچ گئے تھے انہیں لوٹ کھسوٹ کر جلا وطن کردیا، قرآن کریم اس واقعہ کا ذکر اس طرح فرماتا ہے

وَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝

"اور جب آخری (عذاب) کا وعدہ آیا، تاکہ وہ (یعنی رومی) تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہوں، جیسے کہ وہ (یعنی کلدانی) پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے، اور جس چیز پر ان کا غلبہ ہوا اس کو برباد کردیں۔

یہ قوم یہود کو آخری موقعہ دیا گیا تھا، حکومت تو ان سے چار سو سال پہلے چھن چکی تھی، اب ہمیشہ کی ذلت و خواری ان کی قسمت میں لکھ دی گئی، اور کسی خطے میں یکجا ہوکر عزت کی زندگی گذارنے کا موقعہ بھی ان سے چھین لیا گیا، اس واقعہ کو آج دو ہزار ایک سو تیس سال ہوچکے ہیں۔ اس کے بعد سے اب تک وہ بیت المقدس سے دور منتشر اور پارہ پارہ ہوکر زندگی گذارتے رہے۔

لیکن قرآن کریم نے انتیوکس کے حملے کا ذکر فرماکر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا ہے کہ

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝

بہت ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے، اور اگر تم نے (ان غلطیوں کا) اعادہ کیا، تو ہم بھی (عذاب کا) اعادہ کریں گے، اور جہنم کو ہم نے کافروں کا قید خانہ بنا (ہی) رکھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے حال کی اصلاح کرلی تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اگر اس رحم فرمانے کے بعد تم نے سابقہ غلطیوں کا اعادہ کیا تو پھر تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا ——— اللہ تعالیٰ کے اس رحم کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لے آئی، اس قوم کے اعمال یہودیوں

کے مقابلے میں بسا غنیمت تھے، ان میں ایک طرف عبادت گذاروں کی کثرت تھی۔ دوسری طرف جہد و عمل کا جذبہ موجود تھا
چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد تین سو سال کی طویل جد و جہد کے نتیجے میں بنی اسرائیل کی یہ شاخ روما کی عظیم سلطنت کی مالک بن گئی، اور بیت المقدس بھی اس کے قبضہ میں آگیا۔ تقریباً چار سو سال تک عیسائیوں نے روم میں بڑے جاہ و جلال کی حکومت کی، لیکن مرورِ ایام کے ساتھ اس قوم نے ایک طرف اپنے اصل دین کو بری طرح بگاڑ ڈالا اور دوسری طرف اس میں بھی رفتہ رفتہ یہودیوں کی سی خصلتیں پیدا ہونے لگیں۔

بالآخر آٹھویں صدی عیسوی میں فاران کی چوٹیوں سے ختم نبوت کا خورشید عالم تاب نمودار ہوا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر یہود و نصاریٰ کے اس دین کو اپنی اصلی شکل میں پیش فرمایا جسے انھوں نے بری طرح مسخ کر دیا تھا، اب تورات و انجیل کے صحیح پیرو مسلمان قرار پائے، انھوں نے اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایک طرف سیرت و اخلاق کی پاکیزگی کا بے نظیر نمونہ پیش کیا، اور دوسری طرف جہد و عمل کی بالکل نرالی مثالیں قائم کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مختصر سے وقت میں قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملاتے ہوئے آگے بڑھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھاگئے۔ ان کی تعداد کم تھی ان کے وسائل دشمنوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے، مگر وہ قوتِ ایمانی سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ جہد و عمل کے جذبے سے سرشار تھے، چنانچہ دوسری طاقتوں نے انکے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح کے ذریعہ بیت المقدس عیسائیوں سے لے لیا۔

مسلمانوں نے تقریباً پانچ سو سال اس طرح حکومت کی کہ بنیادی طور پر وہ مؤمن بھی تھے، اور مجاہد بھی، بالآخر متعدد انقلابات کے بعد بیت المقدس کی حکومت سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ نو مسلم لوگ تھے، اسلام کے تازہ تازہ جوش سے سرشار اور جذبۂ جہاد سے معمور، مگر اسلامی تعلیمات ابھی تک ان میں رچی بسی نہ تھیں؛ ان کا جذبہ اعتدال سے کچھ تجاوز کر گیا، اور اس کے نتیجے میں انھوں نے ان عیسائیوں پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں جو بیت المقدس کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ یہ پابندیاں اُن فیاضانہ شرائط کی رد کے خلاف تھیں جن پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح کی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رومی عیسائیوں نے ان پابندیوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی مہم شروع کی، مسلمانوں میں اس وقت خامیاں در آچکی تھیں، اس لئے انھوں نے ایک مختصر وقفے کے لئے بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا۔

لیکن مجموعی طور پر مسلمان پھر مسلمان تھے، اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس مقصد کے لئے کھڑا کر دیا جو ایمان کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر تھے، انھوں نے ہلال و صلیب کے معرکوں میں پے در پے عیسائیوں کو شکست دی، اور کچھ ہی عرصہ کے بعد بیت المقدس واپس لے لیا، یہ واقعہ چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں پیش آیا تھا، اس وقت سے آج تک بیت المقدس مسلسل مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلا آتا تھا۔

اس طویل تاریخ کو بیان کرنے کا مقصد یہ دکھلانا ہے کہ گزشتہ چھینے بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح میں جو کچھ ہوا وہ اس قانون قدرت کے عین مطابق ہے جو اس سرزمین پر تین ہزار سال سے نافذ چلا آرہا ہے، جس زمانے میں بنی اسرائیل اللہ کی محبوب ترین امت تھی، اس وقت وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو بخت نصر اور انتیوکس کے عذاب سے نہ بچا سکی، آج مسلمان خدا کی محبوب ترین امت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی تمام بداعمالیوں اور عیش کوشیوں کے باوجود وہ فتح و کامرانی اور عزت و سربلندی کا دائمی حق اپنے پاس رکھتی ہے ——— اس لئے اگر اس کی بداعمالیوں کے صلے میں اُس پر اسرائیل جیسے کمینہ دشمن کو مسلط کر دیا گیا ہے تو تعجب کا کونسا مقام ہے؟

تاریخ کے اس طویل سلسلے کو پیش نظر رکھ کر حالیہ جنگ کا جائزہ لیجئے تو اس کے پس منظر میں بھی عربوں کی شکست کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا کہ انھوں نے ان دو شرطوں میں سے ایک کو بھی پورا نہیں کیا تھا، جن پر قرآن کریم نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی کو موقوف قرار دیا ہے۔ ایک طرف وہاں سے ایمان کی وہ روح رخصت ہو چکی تھی جو اَنْتُمُ الاعلون کی دائمی بشارت لے کر آتی ہے، اور دوسری طرف ان سے جہد و عمل کا وہ جذبہ فنا ہو چکا تھا جس کی طرف اعدّوا لهم ما استطعتم کے ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شکست کے اسباب

ان کی شکست کے کھلے کھلے اسباب یہ تھے۔

(۱) سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ انھوں نے عرصۂ دراز سے اسلام کی واضح تعلیمات کو بالکل پس پشت ڈال رکھا تھا، وہ سالہا سال سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمیں مغربی سامراج اور اس کے حاشیہ نشینوں سے نفرت ہے لیکن ان کی زندگی کی ہر نقل و حرکت اس دعوے کو جھٹلاتی ہے۔ ان کے افکار، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت، ان کا لباس، غرض سر سے لیکر پاؤں تک ہر چیز پکار پکار کر یہ کہتی ہے کہ ہم زبان سے مغربی سامراج کو کتنا برا بھلا کہتے رہیں، لیکن ہمارے دل اسی کی محبت و عظمت سے آباد ہیں، ہمیں تہذیب انہی کی پسند آتی ہے، افکار انہی کے اچھے لگتے ہیں، اور معاشرت انہی کی محبوب ہے۔

اسی طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ عرب ملکوں میں جا کر دیکھئے تو یہ پہچاننا مشکل ہوگا کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے، وہی عریانی، وہی فحاشی، وہی عیش پرستی، اور وہی خدا اور رسولؐ کے احکام سے دُوری! یہاں تک کہ ایک روایت تو یہ سننے میں آئی ہے کہ اسرائیلی حملہ آوروں نے تو حملے سے دو دن پہلے روزے رکھ کر پیش قدمی کی تھی، مگر قاہرہ کے بعض ہوٹلوں میں اس وقت بھی رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں، جب اسرائیل کے بمبار طیارے مصر میں داخل ہو رہے تھے۔ اور یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ اب سے چند ماہ پہلے تک مصر میں اسلام کا نام لینے والوں کے لئے پھانسی کے تختے لٹکے ہوئے تھے، مصر اور شام میں جس جس طرح علماء پر مظالم ڈھائے گئے، وہ ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایک طرف اسرائیل کے یہودی علماء عرب ممالک کے خلاف اپنے عوام میں مذہبی جوش پیدا کر رہے تھے۔ مگر دوسری طرف مصر اور شام کے علماء کو تہ خانوں میں قید کر کے اسلام پسندی کی سزا دی جا رہی تھی۔

(۲) اسلام کی تعلیمات سے دور جا نکلنے کا ہی نتیجہ یہ تھا کہ عرب ممالک اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام کے بجائے "عرب قومیت" کا نعرہ لگا رہے تھے، انھوں نے برسوں سے وطنی قومیت کے اس بت کو اپنی آستینوں میں جگہ دے رکھی تھی جسے توڑنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں صاف اعلان فرما دیا تھا کہ:

لا فضل لعربی علی عجمی

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں"

"اسرائیل" میں مختلف نسلوں اور مختلف خطوں کے یہودی یک دل اور یک جان ہو کر اپنی فوجی تیاریوں میں مصروف تھے ان میں کوئی بات یہودی مذہب کے سوا مشترک نہیں تھی۔ ان کی نسلیں مختلف، وطن جدا، زبانیں الگ، مگر مذہب کے نام پر وہ ایک ہو رہے تھے، اس مذہبی اتحاد نے ان میں مذہبی جنگ کی روح بیدار کر دی تھی ——— اس لئے ان کا مقابلہ وطنی قومیت کی بنیاد پر کیا ہی نہیں جا سکتا تھا، ان کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ مسئلہ فلسطین کو صرف عربوں کا نہیں

بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا۔ اور انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک کے تمام مسلمانوں کو اس مہم میں شریک کیا جاتا پاکستان، ترکی اور ایران نے حالیہ جنگ کے موقعہ پر اپنی سابقہ تلخیوں کو بھلا کر عربوں کی حمایت میں جو مثالی کردار ادا کیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ اگر اہل عرب فلسطین کے مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات کچھ مشکل نہیں تھی، اور اگر یہ عظیم الشان اتحاد قائم ہو جاتا تو نہ صرف دنیا کے نقشہ پر سے اسرائیل کا وجود مٹ چکا ہوتا بلکہ کشمیر سے لیکر قبرص تک کے تمام مسلم مسئلے خود بخود حل ہو جاتے، اور یہ اسلامی ممالک جو اپنے مسائل حل کرنے کے لئے کبھی امریکہ، کبھی روس اور کبھی چین کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں، ہر بیرونی احتیاج سے آزاد ہو جاتے، دنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے قدرت نے عالم اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے کس طرح ایک لڑی میں پرو رکھا ہے، دنیا کی کیسی کیسی اہم شاہراہیں ان کے قبضے میں ہیں، کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں، انسانی وسائل کے اعتبار سے بھی وہ کتنے مالا مال ہیں، کرۂ زمین کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کے سبب پوری دنیا کا دل کس طرح ان کے ہاتھ میں ہے ——— اگر یہ قدرتی انعامات اتحاد و تنظیم کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکیں؟

لیکن ان تمام کھلے کھلے حقائق کے علی الرغم عرب کی سرزمین سے عین دوران جنگ بھی العزۃ للہ کے بجائے العزۃ للعرب کے نعرے بلند ہو رہے تھے، کیا یہ غضب خداوندی کو دعوت دینے کا خود جمع کردہ سامان نہیں تھا۔ اس نظریۂ قومیت کو ہوا دینے سے چند در چند نقصانات پیدا ہوئے۔ ایک طرف تو اسرائیل جیسے دشمن کے مقابلہ کے لئے جس کی پشت پناہی پوری مغربی دنیا کر رہی تھی۔ مؤثر حریف تیار نہ ہو سکا، دوسرے اس طریقے سے خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئی، جو لوگ قومیت کی بنیاد پر متحد ہونے کو غلط سمجھتے تھے، انھوں نے اپنا ایک الگ بلاک بنا لیا۔ اور دونوں عرب بلاکوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی، دونوں کی قوتیں مشترک دشمن کے مقابلہ کے بجائے باہمی افتراق میں صرف ہونے لگیں، دونوں کے تمام وسائل نشر و اشاعت آخر وقت تک ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے میں مصروف ہوتے رہے، انتہا یہ ہے کہ جس وقت اسرائیل کے روپ میں امریکہ اور برطانیہ متحد ہو کر عرب ممالک پر چڑھے چلے آ رہے تھے ٹھیک اس وقت بھی مصر کی اعلیٰ تربیت یافتہ پچاس ہزار افواج یمن کے اندر مسلم کشی میں مصروف تھیں۔

قومیت کے نظریئے کا تیسرا نقصان یہ ہوا کہ اس کے ذریعہ فوجوں میں جہاد کی وہ روح پیدا نہ ہو سکی جو موت سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے، چار دن کی اس جنگ میں قاہرہ اور متحدہ ہائی کمان کا ریڈیو مسلسل یہ نعرے لگاتا رہا کہ:

جاھدوا فی سبیل العروبۃ

عرب قومیت کی راہ میں جہاد کرو

مگر "جاھدوا فی سبیل اللہ" کا جملہ سننے کے لئے یہ گنا ہگار کان ترستے ہی رہے، "العزۃ للعرب" کا نعرہ تو ہر ہر گھنٹہ کے بعد سننے میں آتا تھا، مگر "العزۃ للہ" کا جملہ ایک مرتبہ بھی نہیں سنا جا سکا ——— لڑنے والے آخر مسلمان تھے اور مسلمان کبھی قوم و وطن کے مصنوعی غروں پر جان دینا پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ ہی ہے جو اسے خون میں نہانے اور آگ میں کودنے کا ولولہ عطا کرتا ہے۔

صدر ناصر نے اپنے ایک بیان میں شکست کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسرائیل کی فوجی قوت ہم سے تین گنا زائد تھی اُن کا یہ کہنا اپنی جگہ درست ہے، لیکن کیا ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد میں بھارت کی عسکری طاقت پاکستان سے تین گنا زائد نہیں تھی؟

مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان کی مٹھی بھر افواج نے کس طرح ٹینکوں کے سیلاب کا رخ پھیر دیا تھا ——— وجہ یہ تھی کہ یہ جنگ نسل و وطن کے کسی خود ساختہ غرور پر نہیں لڑی گئی تھی، اس کی بنیاد صرف اور صرف لا الٰہ الا اللہ کا وہ زمزمہ بار کلمہ تھا جسے پڑھ کر صدر پاکستان نے خیبر سے سلہٹ تک کے ہر فرد میں اسلام کے نام پر کٹ مرنے کی حیرت انگیز روح دوڑا دی تھی،

ان حالات میں یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ معلوم ہو مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ:

یہ شکست اسلام اور مسلمانوں کی نہیں عرب قومیت کی شکست ہے

(۳) ہم نے تعلیمات اسلام سے منہ موڑا۔ اور مغربی معاشرت و افکار کو بھی صرف آزادانہ عیش و عشرت کی حد تک اختیار کیا دشمنوں کی مدافعت کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طرق جنگ جو اسلام سے حاصل کرنے کی چیز تھی ہم نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے مادی اعتبار سے بھی کوئی مؤثر تیاری نہیں کر سکے۔ اسرائیل کا خطرہ عربوں کے سروں پر گذشتہ بیس سال سے منڈلا رہا ہے، اس کے جارحانہ عزائم بھی کبھی پردے میں نہیں رہے، اس کی جنگی تیاریاں بھی ان کے سامنے تھیں، لیکن انھوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی، قدرت نے انھیں بہترین قدرتی اور انسانی وسائل سے مالا مال کیا ہے، تیل پر موجودہ دنیا کی روح قائم ہے، اور اس علاقہ میں انھیں اس "زر سیال" پر تقریباً اجارہ داری حاصل ہے، لیکن انھوں نے قدرت کی اس گراں بہا نعمت کو تمام و کمال ان غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے جن کی اسلام دشمنی کبھی راز نہیں رہی۔ اور خود اس تیل کی رائلٹی پر قناعت کر کے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں گویا اس نعمت کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں ہو سکتا، سہل انگاری اور عیش کوشی کے سوا اس تلخ حقیقت کی اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے گذشتہ بیس سال میں اپنے یہاں ایسی ایک جماعت بھی پیدا نہیں کی جو تیل کے کنوؤں سے استفادے کا ہنر جانتی ہو، اور اپنی اس دولت کو غیر ملکیوں کے تسلط سے آزاد کر سکے۔

پھر انھیں ان قدرتی وسائل کی صرف رائلٹی سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ تناسب کے اعتبار سے دنیا کے امیر ترین ملکوں کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ ہے، ایک اندازے کے مطابق بینک آف انگلینڈ جیسے دولتمند بینک کی دو تہائی دولت صرف کویت کی جمع کرائی ہوئی رقم سے حاصل ہوتی ہے، اور دوسرے دولت مند عرب ممالک یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں جو رقمیں جمع کراتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں، یہاں پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی خطیر رقم جس کے بل پر یورپ اور امریکہ نے پوری دنیا میں اپنی ساکھ کا لوہا منوا رکھا ہے، کیا اس سے تجارتی منافع حاصل کرنے کا حق بھی اسی مغربی دنیا کو پہنچتا ہے جس کی دولت کا ایک بہت بڑا مصرف عالم اسلام کی تخریب ہے! سوال یہ ہے کہ یہ رقم خود اپنے ملکوں میں جمع رکھ کر اس سے عالم اسلام کی تعمیر و ترقی کا کام لینے کا انتظام کیوں نہیں کیا جاتا؟ موجودہ حالات میں تو ان کے پاس یہ دولت جمع کرانے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا، مغربی ممالک عربوں کا تیل استعمال کرنے کا جو معاوضہ انھیں دیتے ہیں یہ پھر اسے انہی کی جیب میں ڈال دیتے ہیں کہ تم ہی اس سے نفع اٹھاؤ۔ اس سے اپنی تجارت و صنعت کو فروغ دو، اسی کے ذریعہ اسرائیل کو طاقتور بنانے کے لئے اسے جدید ترین اسلحہ مہیا کرو، اور اسی کے ذریعہ ہم پر بمباری کرنے والے طیارے بناتے رہو۔ ——— اور جس وقت ہمیں اپنے کسی ترقیاتی کام کے لئے کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی کا کچھ حصہ "امداد" کا نام رکھ کر ہمیں واپس کر دو، تاکہ دنیا کے گوشے گوشے میں تمہاری سخاوت اور فیاضی کے قصیدے پڑھے جائیں، اور ہماری گردنیں ہمیشہ تمہارے احسانات کے آگے جھکی رہیں، ———

پھر تھوڑا سا اور آگے بڑھ کر دیکھئے جو بچی کھچی رقم یہ ممالک اپنے پاس رکھتے ہیں وہ بھی تھوڑی نہیں ہے، لیکن اس کا مصرف کیا ہے؟ ائیر کنڈیشنڈ کاریں، آرائش و زیبائش کا جدید ترین سامان، خود کار فلمیں، شراب، بچوں کے قیمتی کھلونے، ہوا بند ڈبوں کی غذائیں،

اور قصیدہ گو شاعر! ——— عرب ممالک میں سے بیشتر کا یہ حال ہے کہ وہاں آپ کو گھر گھر ٹیلی ویژن اور خود کار فلمیں ملیں گی، سڑکوں پر لاتعداد کیڈی لاک کاریں دوڑتی نظر آئیں گی لیکن ان کی چھاؤنیوں میں فوجوں کی تعداد ان کی کاروں سے کئی گنا کم نظر آئے گی اسلحہ تھوڑا اور وہ بھی پرانے طرز کا ملیگا۔ انتہا یہ ہے کہ کویت جیسے دولتمند ملک میں فوج کی تعداد کل پانچ ہزار اور طیاروں کی تعداد صرف ۹ ہے،

کتنے عبرت کا مقام ہے کہ بیس سال سے اسرائیل کا عالم یہ ہے کہ وہاں بچہ بچہ سپاہی بن رہا ہے مگر اہل عرب کی باقاعدہ افواج بھی جدید مشینی جنگ کے ترقی یافتہ طریقوں کی تربیت نہیں رکھتیں۔ وہاں ملک کی دولت کا بیشتر حصہ دفاعی مقاصد پر صرف ہو رہا ہے اور یہاں ہر ہر فرد اپنی رقم کا بہترین مصرف تفریح تعیش اور آسائش کو سمجھتا ہے، وہاں جدید ترین اسلحہ کی بھر مار ہو رہی ہے اور یہاں گھر گھر ٹیلی ویژن نصب ہیں، وہاں ٹینکوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جا رہا ہے، اور یہاں کاروں میں ائیرکنڈیشنز لگانے کا شوق بڑھ رہا ہے۔ وہاں صنعتی اور ٹیکنیکی میدان میں ترقی کے لئے شب و روز کوششیں ہو رہی ہیں، اور یہاں ترقی اور خوشحالی کا معیار رقص و سرود کو سمجھ لیا گیا ہے۔ وہاں مختلف اور متحارب جماعتیں اسلام کو مٹانے کے لئے متحد ہو رہی ہیں، اور یہاں ابھی تک یہی طے نہیں ہو سکا کہ اتحاد کی بنیاد کیا ہو؟ - خدارا سوچئے کہ ایسے حالات میں ہمیں اپنی شکست کا شکوہ کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

(۴) اس شکست کا چوتھا اہم سبب یہ ہے کہ ہم نے اتحاد عالم اسلامی کی کوشش کرنے کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کرنے کو ضروری خیال کر لیا ہے، بجائے اس کے کہ انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک پورا عالم اسلام متحد ہو کر اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش کرتا، آج اس کی نگاہیں کبھی روس اور کبھی امریکہ کی طرف مرکوز رہتی ہیں، حالانکہ قدم قدم پر ان طاقتوں کی بے وفائی مشاہدے میں آچکی ہے، موجودہ جنگ میں عربوں کو روس پر اعتماد تھا، لیکن اس نے اس دوران جو شرمناک کردار ادا کیا وہ ساری دنیا کے سامنے آچکا ہے، مانا کہ جنگ کے بعد اس کی طرف سے اسرائیل کے خلاف بڑے زور شور کے بیانات جاری ہوئے۔ اس نے اقوام متحدہ کی نشستوں میں اسرائیل کی مذمت اور عربوں کی حمایت میں کھل کر تقریریں کیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان ہوائی تقریروں کے ذریعے کب تک دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی جائے گی؟ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جو شخص دنیا میں جنگل کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہو اس کا علاج تقریروں سے نہیں، شمشیروں سے ہوا کرتا ہے، جارحیت کی مذمت زبان سے نہیں سنگینوں کی نوک سے کی جاتی ہے، اور مظلوم کی فریاد رسی گول میزوں پر نہیں، جنگ کے میدان میں ہوا کرتی ہے ——— اگر اخلاق و شرافت اور مسلمہ بین الاقوامی قوانین، اسرائیل کی نگاہ میں کچھ وقعت رکھتے تو آج مشرق وسطیٰ میں فلسطین کا کوئی مسئلہ ہی سرے سے موجود نہ ہوتا وہ ایک زہریلا اژدہا ہے جسے قائل کرنے کے لئے عقل و خرد کی کوئی منطق کارگر نہیں ہو سکتی، اس کا علاج صرف ایک ہے، ایسا بھرپور وار جس کے بعد اسے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے۔

میدان کارزار گرم ہونے کے وقت خاموش بیٹھے رہنا، اور مظلوم کا قصہ پاک ہو جانے کے بعد شور مچانا دوستوں کا کام نہیں ہوتا اور جو مظلوم ایسے شخص کو دوست سمجھنے کی غلطی کرے۔ اس کی سادگی پر اظہار تعجب کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ روس کے اس موجودہ شور و غل کا مقصد بظاہر حالات اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ بالآخر عربوں کو اسرائیل کے ساتھ سودے بازی پر (Bargaining) پر آمادہ کر کے بیت المقدس کو بین الاقوامی شہر اور خلیج عقبہ کو بین الاقوامی شاہراہ قرار دیدیا جائے اور اس جنگ میں اسرائیل کی سب سے بڑی کامیابی اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

* عربوں کی شکست کے جو اسباب ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی، دقت یا ابہام نہیں ہے، یہ کوئی ایسا

فلسفہ نہیں ہے جسے سمجھانے کے لئے طویل دلائل کی ضرورت ہو، یہ وہ سامنے کی باتیں ہیں جنہیں آج ہر ذی شعور مسلمان محسوس کر رہا ہے۔

یہ شکست ایک زبردست ٹھوکر ہے جو پورے عالم اسلام کو لگی ہے، یہ قدرت کا ایک تازیانہ ہے جو ہم سب کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا ہے، اور اگر ہم خود کشی کا عزم صمیم کر کے نہیں بیٹھ گئے تو ہمیں ان تمام کوتاہیوں کی تلافی کے لئے کمربستہ ہونا پڑے گا، یاد رکھئے کہ اسرائیلی جارحیت کا سیلاب از خود کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے، جبتک کہ عالم اسلام اس پر یہ ثابت نہ کر دے کہ مسلمان ایک ایسی چٹان ہے جس سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کر ڈالنے کے مرادف ہے، زبانی دعووں کا وقت گذر چکا اب عمل کا وقت ہے۔ اور اگر اب بھی ہمیں ہوش نہ آیا تو ہمارا انجام بڑا ہولناک ہوگا، آج اسرائیل نے بیت المقدس اور صحرائے سینا پر قبضہ جمایا ہے، کل وہ قاہرہ، دمشق اور بغداد کا رخ کرے گا اور پھر عالم اسلام کا کوئی گوشہ اس قہر الٰہی سے مامون نہ رہ سکے گا۔ (اللھم احفظنا)

اور اگر اس شکست نے ہمیں جہد و عمل پر آمادہ کر دیا تو یہ شکست کچھ مہنگی نہیں ہے، اگر ہم صحیح معنی میں مسلمان بنکر متحد ہو گئے تو اسرائیل کی تو ہستی کیا ہے، دنیا کی کوئی طاقت ہم پر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔

اے رب العزت! ہمیں اس ٹھوکر سے سنبھل جانے کی صلاحیت عطا فرما، ہمارے ان تمام گناہوں سے درگذر فرما جن کی بدولت ہمیں یہ ذلت نصیب ہوئی۔ اور آئندہ کے لئے ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم صحیح معنی میں مسلمان بن کر باطل کی طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کر سکیں، ہمارے افتراق و انتشار کو اتحاد اور اتفاق میں بدل دے، اور یہ قوم جو دو صدیوں سے اپنی قسمت کے پھیر میں آئی ہوئی ہے، اسے ایک بار پھر دنیا میں سربلندی اور آخرت میں سرخ روئی بخش دے، —— آمین! اللّٰھم آمین

محمد تقی عثمانی
۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

تمام مسلمان

"ایک جسم کی مانند ہیں، کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے
تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے"

(مفہوم حدیث)

اپنے مظلوم عرب بھائیوں کی امداد میں فیاضانہ حصہ
لیکر اسلامی حمیت کا ثبوت دیجئے!

البلاغ : معاصرین کی نظر میں

ماہنامہ میثاق لاہور کا تبصرہ

زیر نظر شمارہ جو اس نئے دینی ماہنامے کی اشاعت اولیٰ ہے صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے معیاری ہے اور اگرچہ افتتاحیہ" کلمات میں حضرت مفتی صاحب نے یہ درد بھرا شکوہ کیا ہے کہ" اہل حق گوشہ گیر ہیں، نہ ان کو وہ اسباب و آلات میسر ہیں کہ ان رنگینیوں کے حسین لباس میں ظاہر ہو سکیں۔۔۔۔۔" تاہم البلاغ کا زیر نظر شمارہ کسی طرح بھی وسائل و ذرائع کی کمی پر دلالت نہیں کرتا۔ سفید کاغذ پر عمدہ کتابت اور صاف ستھری طباعت ـــــ دینی جرائد کو موجودہ دور میں یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو اور کیا چاہیئے؟ ـــــ پرچے کا عام انداز حضرت مفتی صاحب کے فرمانے کے مطابق "تبلیغی و اصلاحی" ہے اور مختلف موضوعات پر سادہ اور دلنشین پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے، مفتی صاحب قبلہ چونکہ قلب و حال کی دنیا کے بھی محرم اسرار ہیں، لہٰذا "دل کی دنیا" کا بھی ایک مستقل عنوان پرچے میں رکھا گیا ہے، اور یہی غالباً اس کا سب سے قیمتی حصہ ہوگا۔ بہرحال ہم "البلاغ" کو خوش آمدید کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق دے۔ آمین

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

یہ ماہنامہ جناب محمد تقی عثمانی استاذ دارالعلوم کراچی کی ادارت اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کی سرپرستی میں اپریل کے مہینے سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ ہمارے زیر نظر ہے۔ ملک کے مشہور علماء اور اہل قلم نے اس کے اجرا کا خیر مقدم کیا ہے۔ جن کی آرا شامل شمارہ ہیں۔ مضمون نگاروں میں مولانا رفیع عثمانی، مفتی ولی حسن ٹونکی۔ مولانا شمس الحق، جیسے اہل علم و قلم کے اسمائے گرامی کے علاوہ خود مدیر البلاغ کے نتائج اور حضرت مفتی پاکستان مولانا محمد شفیع مدظلہ کے نوادر قلم نظر آتے ہیں۔ اول تو مفتی صاحب کی سرپرستی ہی البلاغ کی ثقاہت و وقعت کی کافی دلیل ہے۔ پھر اس کے ساتھ فاضل مدیر کی محنت قابل داد ہے۔ اور تمام مضامین متنوع بصیرت افروز اور بغایت دلچسپ ہیں۔ کتابت و طباعت کی نفاست کاغذ کی عمدگی اور جاذب و دلکش ٹائیٹل کی موجودگی سونے پر سہاگہ کے مترادف ہے۔ ایسے دور میں جب کہ نگاہیں رنگا رنگ تصویروں اور ذہنی تعیش کے سامانوں کو نہ صرف دیکھنے بلکہ ڈھونڈھنے کی عادی ہو چکی ہیں۔ دین و آخرت کے مضامین پر رسالہ جاری کرنا، آندھیوں میں چراغ جلانے سے کم نہیں۔ کاغذ کی گرانی اور عوام کی بے ذوقی حالات کی نامساعدت کو جس قدر بڑھا رہی ہے۔ وہ بھی ظاہر ہے، یہ فقط اہل علم اور اصحاب شریعت کی ہمتیں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے طوفانوں اور ہنگاموں میں بھی قال اللہ و قال الرسول کی آواز کو بلند رکھتی ہیں۔

ہم البلاغ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور دین پسند طبقوں سے امید کرتے ہیں، کہ وہ اس کی خاطر خواہ قدر کریں گے۔ یہ سطور لکھی جا چکی تھیں۔ کہ البلاغ کا دوسرا شمارہ بھی ہم تک پہنچ گیا

جو صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے پہلے شمارہ سے بھی بڑھا ہوا ہے،

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

البلاغ دارالعلوم کراچی کا علمی، دینی، اصلاحی اور دعوتی ماہنامہ ہے جو پچھلے ماہ محرم الحرام سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں پوری آب و تاب اور صوری و معنوی رعنائیوں سے منصۂ صحافت پر جلوہ گر ہوا ہے، اب تک اس کے دو شمارے نکلے ہیں مضامین علمی اور اس سے زیادہ دعوتی و اصلاحی رنگ رکھتے ہیں، عالم اسلام کے احوال و وقائع اور معلومات جدیدہ پر بھی کافی مواد موجود ہے، حضرت مفتی اعظم مدظلہ کی فقیہانہ اور حکیمانہ تفسیر "معارف القرآن" اور دیگر افادات البلاغ کا طغرائے امتیاز ہیں، ہمارے یہاں خالص دینی اور علمی صحافت کا جو خلا پایا جاتا تھا بحمداللہ یہ خلا بھی دو چار مدارس عربیہ کے وقیع اور سنجیدہ شہری مجلات سے پُر ہوتا نظر آرہا ہے۔

امید ہے کہ برادر محترم مولانا محمد تقی عثمانی بی۔ اے کے پاکیزہ علمی و ادبی ذوق اور شوق و ولولہ سے "البلاغ" فریضہ ابلاغ حق میں بہتر سے بہتر مقام حاصل کر سکے گا، دعوت و اصلاح کا طریق احسن بہرحال حکمت و موعظہ کا طریق ہے، مگر اس راہ حق میں جو رکاوٹیں اور کانٹے علمی و دینی شکلوں کی شکل میں حائل ہوں، ایک داعی کے لئے ان کی بیخ کنی بھی ناگزیر ہوتی ہے، توقع ہے کہ "البلاغ" پوری سختی سے سنجیدگی اور متانت اور جذبۂ خیرخواہی کو نباہتے ہوئے بھی باطل کے علمی اور تحقیقی تعاقب میں پیش پیش ہوگا، خلوص و محبت سے بھرپور جذبات سے ہم اپنے رفیق طریق "البلاغ" کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی عنداللہ مقبولیت کے مستمنی ہیں۔

ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ

البلاغ کراچی مدیر مولوی محمد تقی عثمانی، اس دینی ماہنامہ کا ابھی صرف نمبر اول نکلا ہے، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے ہر طرح ہونہار معلوم ہوتا ہے، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ثم کراچوی کا شمار اس وقت ہند و پاکستان کے جید علماء میں ہے، یقین ہے کہ ان کی سرپرستی میں یہ پرچہ ہر طرح ترقی کرتا رہے گا۔

ہفت روزہ شہاب لاہور

یہ ایک نیا جریدہ ہے جو ابھی حال ہی میں مفتی پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع مدظلہ کی زیر سرپرستی دارالعلوم کراچی کے آرگن کے طور پر جاری ہوا ہے، ادارت کے فرائض حضرت مفتی صاحب کے لائق فرزند مولانا محمد تقی عثمانی انجام دے رہے ہیں۔ اب تک البلاغ کے دو ہی شمارے منظر عام پر آئے ہیں، لیکن ان سے اس جریدۂ فریدہ کے درخشاں مستقبل کا پتہ چلتا ہے حضرت مفتی صاحب کی مشہور زمانہ تفسیر معارف القرآن بھی البلاغ میں شائع ہو رہی ہے اور دوسرے علمی، تاریخی اور دینی موضوعات پر قیمتی تحریریں اس کے علاوہ ہیں، سفید کاغذ اعلیٰ کتابت و طباعت خوش نما سرورق،

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی کا مکتوب گرامی،

گرامی قدر مولانا محمد تقی صاحب بارک اللہ فی مساعیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ البلاغ کی ترسیل سے مسرت ہوئی، ماشاء اللہ رسالہ بڑا دلکش ہے، مغربی تہذیب کی تاریکیوں کے خلاف یہ روشنی کا ایک مینار ہے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ علمی و عملی گمراہیوں کی اصلاح ہوگی، اور قلب و نظر کو پاکیزگی ملے گی اسلامی حقائق کے انوار کی اشاعت اس انداز میں بجائے خود ضروری ہے، مضامین رسالہ میں ضرورت وقت اور تعبیر میں ذوق حاضر کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے ان معنوی خوبیوں کے علاوہ طباعت، کتابت اور کاغذ بھی جاذب توجہ ہے، امید ہے کہ رسالہ البلاغ کے معیار میں روز افزوں اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر ذریعہ اصلاح بنائے۔

حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کی خدمت میں سلام عرض کریں،

احقر العباد شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

رکوع ۴ و ۵ - آیات ۲۴ تا ۲۹

سورۂ ابراھیم

کلمۂ طیّبہ اور شجرۂ طیّبہ

"ہمارے بہت سے قارئین نے ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تفسیر معارف القرآن کو ابتدا (سورۂ فاتحہ) سے شروع کیا جائے۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ سورۂ ابراہیم سے شروع کرنے میں ہمارے پیش نظر یہ فائدہ تھا کہ اس طرح معارف القرآن کی تصنیف آگے بڑھ سکے گی، اور تمام قارئین اس تفسیر کے تازہ اور غیر مطبوعہ مواد سے مستفید ہو سکیں گے، رہا شروع کا حصہ، تو انشاء اللہ عنقریب ایک ایک پارہ کر کے کتابی شکل میں طبع کرنے کا ارادہ ہے، ——— تاہم اس اعلان کے باوجود بھی اگر قارئین کی اکثریت نے ابتدا ہی سے شروع کرنے کی رائے دی تو ہم انشاء اللہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں گے" ——— ادارہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ٍۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی؟ کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں، وہ خدا کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں، اور گندہ کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے، اس کو کچھ ثبات نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ایمان والوں کو اس پکی بات پر دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے، اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے بجائے نعمت الٰہی کے کفر کیا، اور جنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہونچا یا وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔

ربط آیاتِ مذکورہ سے پہلے ایک آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کے اعمال کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ راکھ کے مانند ہیں، جس پر تیز اور سخت ہوا چل جائے کہ اس کا ذرّہ ذرّہ ہوا میں منتشر ہو کر بے نشان ہو جائے، پھر کوئی اُس کو جمع کر کے اُس سے کوئی کام لینا چاہے تو ناممکن ہو جائے۔ مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف۔ مطلب یہ ہے کہ کافر کے اعمال جو بظاہر اچھے بھی ہوں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، اس لئے سب ضائع اور بے کار ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ آیات میں پہلے مؤمن اور اس کے اعمال کی ایک مثال دی گئی ہے، پھر کفار و منافقین کے اعمال کی۔

پہلی آیت میں مؤمن اور اُس کے اعمال کی مثال ایک ایسے درخت سے دی گئی ہے جس کا تنہ مضبوط اور بلند ہو اور اس کی جڑیں زمین میں گہری گئی ہوئی ہوں اور زیرِ زمین پانی کے چشموں سے سیراب ہوتی ہوں، گہری جڑوں کی وجہ سے اس میں درخت کو استحکام اور مضبوطی حاصل ہو کہ ہوا کے جھونکے سے گر نہ جائے۔ اور سطحِ زمین سے دور ہونے کی وجہ سے اس کا پھل گندگی سے پاک و صاف رہے، دوسری صفت اس درخت کی یہ ہے کہ اس کی شاخیں بلندی پر آسمان کی طرف ہوں۔ تیسری صفت اس درخت کی یہ ہے کہ اوس کا پھل ہر وقت ہر حال میں کھایا جاتا ہو۔

یہ کونسا درخت ہے؟ یہ درخت کونسا اور کیا ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، مگر زیادہ اقرب یہ ہے کہ وہ کھجور کا درخت ہے اس کی تائید تجربہ اور مشاہدات سے بھی ہوتی ہے اور روایاتِ حدیث سے بھی، کھجور کے درخت کے تنہ کا بلند اور مضبوط ہونا تو مشاہدہ کی چیز ہے سب ہی جانتے ہیں، اس کی جڑوں کا زمین کی دور گہرائی تک پہونچنا بھی معروف و معلوم ہے۔ اور اس کا پھل بھی ہر وقت ہر حال میں کھایا جاتا ہے جس وقت سے اس کا پھل درخت پر ظاہر ہوتا ہے اُس وقت سے پکنے کے زمانہ تک ہر حال اور ہر صورت میں اس کا پھل مختلف طریقوں سے چٹنی اچار کے طریقہ سے یا دوسرے طریقوں سے کھایا جاتا ہے، پھر پھل پکجانے کے بعد...... اس کا ذخیرہ بھی پورے سال باقی رہتا ہے، صبح شام، دن اور رات، گرمی اور سردی غرض ہر موسم اور ہر وقت میں کام دیتا ہے، اس درخت کا گودا بھی کھایا جاتا ہے اس سے میٹھا رس بھی نکالا جاتا ہے۔ اس کے پتّوں سے بہت سی مفید چیزیں، چٹائیاں وغیرہ بنتی ہیں، گٹھلی جانوروں کا چارہ ہے بخلاف دوسرے درختوں کے پھل کے کہ وہ خاص موسم میں آتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں اُن کا ذخیرہ نہیں رکھا جاتا ہے، اور نہ اُن کی ہر چیز سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ اور ترمذی نسائی۔ ابن حبان، اور حاکم نے بروایت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شجرۃ طیبۃ (جس کا ذکر قرآن میں ہے) کھجور کا درخت ہے اور شجرہ خبیثہ حنظل کا درخت۔ (مظہری)

اور مسند احمد میں بروایت مجاہد مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک روز ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کوئی صاحب آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گودہ لائے، اُس وقت آپؐ نے صحابۂ کرام سے ایک سوال کیا کہ درختوں میں سے ایک ایسا درخت بھی ہے جو مرد مؤمن کی مثال ہے، (اور بخاری کی روایت میں اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اس درخت کے پتے کسی موسم میں جھڑتے نہیں) بتلاؤ وہ درخت کونسا ہے؟۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے، مگر مجلس میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ موجود تھے، ان کو خاموش دیکھ کر مجھے بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی، پھر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تمثیل کا مطلب مؤمن کی مثال اس درخت سے دینے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ یعنی ایمان اُس کی جڑ ہے جو بہت مستحکم اور مضبوط ہے دنیا کے حوادث اُس کو ہلا نہیں سکتے۔ مؤمنین کاملین صحابہ و تابعین بلکہ ہر زمانہ کے پکّے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں کہ ایمان کے مقابلہ میں نہ جان کی پرواہ کی نہ مال کی، اور نہ کسی دوسری چیز کی۔ دوسری وجہ ان کی

طہارت و نظافت ہے کہ دنیا کی گندگیوں سے متأثر نہیں ہوتے، جیسے بڑے درخت پر سطح زمین کی گندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ دو وصف تو اصلہا ثابت کی مثال ہیں، تیسری وجہ یہ کہ جس طرح کھجور کے درخت کی شاخیں بلند آسمان کی طرف ہوتی ہیں، مؤمن کے ثمرات یعنی اعمال بھی آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں، قرآن میں ہے الیہ یصعد الکلم الطیب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں، پاکیزہ کلمات، مطلب یہ ہے کہ مؤمن جو اللہ تعالیٰ کا ذکر، تسبیح، تہلیل، قراءۃ قرآن وغیرہ کرتا ہے یہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچتے رہتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل ہر حال ہر موسم میں لیل و نہار کھایا جاتا ہے، مومن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت، ہر موسم اور ہر حال میں صبح وشام جاری ہیں۔ اور جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کار آمد ہے، مؤمن کا ہر قول وفعل اور حرکت وسکون اور اُس سے پیدا ہونے والے آثار پوری دنیا کے لئے نافع و مفید ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ مؤمن کامل اور تعلیمات خدا ورسول کا پابند ہو۔

مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ تؤتی اکلہا کل حین میں اکل سے مراد پھل اور کھانے کے لائق چیزیں ہیں اور حین سے مراد ہر وقت ہر حال ہے، اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے، بعض حضرات کے دوسرے اقوال بھی ہیں۔

کفّار کی مثال

اس کے بالمقابل دوسری مثال کفار کی شجرہ خبیثہ سے دی گئی، جس طرح "کلمۂ طیّبہ" سے مراد قول لا الٰہ الا اللہ یعنی ایمان ہے، اسی طرح "کلمہ خبیثہ" سے مراد کلمات کفر اور افعال کفر ہیں۔ شجرہ خبیثہ سے مراد مذکورہ حدیث میں حنظل قرار دیا گیا ہے اور بعض نے لہسن وغیرہ کہا ہے، اس شجرۂ خبیثہ کا حال قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جڑیں زمین کے اندر زیادہ نہیں، اس لئے جب کوئی چاہے اس درخت کے پورے جثہ کو زمین کے اوپر سے اٹھا سکتا ہے اُجتثت من فوق الارض کے یہی معنی ہیں کیونکہ اجتثاث کے اصل معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے جثہ کو پورا پورا اٹھا لیا جائے۔

کافر کے اعمال کو اس درخت سے تشبیہ دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ اول تو اس کے عقائد کی کوئی جڑ بنیاد نہیں، ذرا دیر میں متزلزل ہو جاتے ہیں، دوسرے دنیا کی گندگی سے متاثر ہوتے ہیں، تیسرے ان کے درخت کے پھل پھول یعنی اعمال و افعال عند اللہ کارآمد نہیں۔

ایمان کا خاص اثر

اس کے بعد مؤمن کے ایمان اور کلمہ طیبہ کا ایک خاص اثر دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے:۔

یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ۔ یعنی مومن کا کلمہ طیبہ مضبوط ومستحکم درخت کی طرح ایک قول ثابت ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قایم وبرقرار رکھتے ہیں۔ دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، بشرطیکہ یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ کہا جائے، اور لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم کو پوری طرح سمجھ کر اختیار کیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کلمۂ طیبہ میں ایمان رکھنے والے کی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قایم رہتا ہے، خواہ اُس کے خلاف کتنے ہی حوادث سے مقابلہ کرنا پڑے، اور آخرت میں اس کلمہ کو قایم وبرقرار رکھ کر اس کی مدد کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ یعنی قبر کا عالم ہے۔

حدیث یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن سے جب قبر میں سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قایم رہے گا اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا، اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ کا یہی مطلب ہے۔ یہ روایت حدیث حضرت براء بن عازبؓ نے نقل فرمائی، اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں، جن کو امام ابن کثیرؒ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ

نے اپنے منظوم رسالہ التثبیت عند التبییت میں اور شرح الصدور میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر نقل فرمایا ہے .... ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورۃ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

برزخی زندگی

مرنے اور زندہ ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں، رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے، سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے، مگر موجود ہیں، ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے، جس کا سناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی، خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت کے اندر گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے، مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی، اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہونچکر اس عذاب و ثواب کی خبر دے دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

آخر آیت میں فرمایا ویضل اللہ الظالمین۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کو کلمہ طیبہ اور قول ثابت پر ثابت قدم رکھتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں قبر ہی سے ان کے لئے راحت کے سامان جمع ہو جاتے ہیں، مگر ظالموں یعنی کفار و مشرکین کو یہ خداوندی نصرت و امداد نہیں ملتی، وہ منکر نکیر کے سوالات کا صحیح جواب نہیں دے سکتے اور انجام کار ابھی سے ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ویفعل اللہ ما یشاء یعنی اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے، کوئی طاقت نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کو روک سکے۔

حضرت ابی بن کعبؓ، عبد اللہ ابن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ وغیرہ حضرات صحابہ نے فرمایا ہے کہ مومن کو اس کا اعتقاد لازم ہے کہ اوس کو جو چیز حاصل ہوئی وہ اللہ کی مشیت و ارادہ سے حاصل ہوئی اوس کا ٹلنا ناممکن تھا، اسی طرح جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔ اور فرمایا کہ اگر تمہیں اس پر یقین و اعتقاد نہ ہو تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار جھنم یصلونھا و بئس القرار۔

"یعنی کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بدلہ میں کفر اختیار کر لیا، اور اپنی قوم کو جو ان کے کہنے پہ چلتی تھی ہلاکت و بربادی کے مقام میں اتار دیا، وہ جہنم میں جلیں گے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہاں نعمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی عام نعمتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو محسوس و مشاہد ہیں اور جن کا تعلق انسان کے ظاہری منافع سے ہے جیسا کھانے پینے، پہننے کی اشیاء، زمین اور مکان وغیرہ، اور وہ مخصوص معنوی نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں جو انسان کے رشد و ہدایت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں۔ مثلاً انبیاء اور آسمانی کتابیں اور اپنے وجود کے ہر جوڑ میں پھر زمین اور اس کی بے شمار مخلوقات میں آسمان اور اس کی ناقابل ادراک کائنات میں جو نشانیاں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی انسان کی ہدایت کا سامان ہیں۔

ان دونوں قسم کی نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کو پہچانتا اوس کی نعمتوں کا شکر گذار ہو کر اوس کی فرمانبرداری میں لگ جاتا، مگر کفار و مشرکین نے نعمتوں کا مقابلہ شکر کے بجائے کفران نعمت اور سرکشی و نافرمانی سے کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت و بربادی کے مقام میں ڈال دیا اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

احکام و ہدایت

ان تینوں آیتوں میں توحید اور

کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی عظمت و فضیلت اور اس کے برکات وثمرات کا اور اس سے انکار کی نحوست اور انجام بد کا بیان ہوا ہے کہ توحید ایسی لازوال دولت ہے جس کی برکت سے دنیا میں تائید ایزدی ساتھ ہوتی ہے اور آخرت اور قبر میں بھی، اور اس سے انکار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو عذاب سے بدل ڈالنے کے مرادف ہے۔ (۳ ۸۴/۳ھ)

اپنی نماز درست کیجیے

۱۔ اگر نماز پڑھتے وقت آپ رکعتوں کی تعداد بھول جاتے ہیں تو مندرجہ ذیل مسائل یاد رکھئے:

(الف) اگر یہ تردد آپ کو شاذونادر ہوتا ہے تو نماز توڑ کر از سر نو شروع کیجیے،

(ب) اگر اکثر و بیشتر یہ صورت پیش آتی ہے تو ذہن پر زور ڈال کر سوچیے کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جس طرف گمان غالب ہو جائے اس پر عمل کیجیے۔

(ج) اگر کسی طرف گمان غالب نہیں ہوتا اور تردد برقرار رہتا ہے تو پڑھی ہوئی رکعتیں کم سے کم سمجھیے، اس کے مطابق نماز پوری کیجیے، لیکن جس رکعت کے بارے میں یہ احتمال ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے اس پر بیٹھ کر التحیات ضرور پڑھیے۔ مثلاً آپ کو چار رکعتوں کی نماز میں شک ہوا کہ دو رکعتیں پڑھی گئی ہیں یا تین، اور کسی جانب گمان غالب نہیں ہوتا، تو یہ سمجھئے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں باقی دو رکعتیں اس طرح پوری کیجیے کہ ہر رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھیے، کیونکہ جس رکعت کو آپ نے تیسری رکعت قرار دیا ہے اس میں چوتھی اور آخری رکعت ہونے کا احتمال بھی ہے۔ اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیجیے۔

اگر یہ مسئلہ سمجھ میں نہ آیا ہو تو کسی عالم سے اسے اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

۲۔ جماعت کے دوران صفوں کو سیدھا رکھنا بہت ضروری ہے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے برابر والے کے ٹخنے کے ساتھ اپنا ٹخنا ملا لے۔

۳۔ اگر آپ غلطی سے پہلی یا تیسری رکعت میں بیٹھ گئے ہیں تو فوراً کھڑے ہو جائیے، اگر بیٹھ کر اتنی دیر گذر گئی کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔

۴۔ چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت کے ختم پر بیٹھنا واجب ہے، اسے قعدۂ اولیٰ کہتے ہیں لیکن اگر غلطی سے بیٹھنے کی بجائے سیدھے کھڑے ہو گئے ہوں تو واپس نہ آیئے، بلکہ نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کیجیے، البتہ رکوع جیسی کیفیت تک پہنچنے سے پہلے یاد آ گیا

۵۔ نماز کی آخری رکعت میں بیٹھنا فرض ہے اسے قعدہ اخیرہ کہتے ہیں، اگر آپ قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے ہوں تب بھی واپس آ جائیے۔ البتہ اگر آپ پانچویں رکعت کے سجدے میں چلے گئے اور اس وقت یاد آیا کہ پانچ رکعتیں ہو گئی ہیں تو آپ کی فرض نماز نہیں ہوئی اب آپ ایک رکعت اور پڑھ کر سلام پھیریئے تاکہ یہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں۔

۶۔ چار رکعتوں والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ اور نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر آپ نے غلطی سے کچھ پڑھ لیا ہو تو نماز ہو گئی، سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔

نماز بارگاہ الٰہی میں ایک ایک تحفہ ہے، اس تحفے کو حسین سے حسین تر بنائیے، اس طرح کہ وہ مالک کی مرضی کے مطابق ہو

مولانا سلیم اللہ صاحب
جامعہ رشیدیہ کراچی

حدیث جبرئیل

(۲)

توحید، رسالت، نماز اور زکوٰۃ

حضرات انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس "اسلام" کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جنکی حیثیت اس "حقیقت اسلام" کے پیکر محسوس کی سی ہوتی ہے، اور اس حقیقت کا نشو و نما اور اس کی تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے ظاہری نظر انہی "ارکان" کے ذریعہ فرق کرتی ہے کہ کس نے اسلام کو اپنا دستور حیات بنایا ہے اور کس نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے "اسلام" کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدیؐ کی شہادت نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو "ارکان اسلام" قرار دیا گیا ہے ——— ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے "بنی الاسلام علی خمس" یعنی اسلام کی بنیادیں پانچ چیزوں پر ہے۔

شہادت توحید و رسالت

ایک قادر مطلق اور صفات کمال کے ساتھ موصوف ہستی پر یقین اور اس کو یکتا و بے مثل ماننا اسلام اور تعلیم محمدی کی پہلی ابجد ہے، یہاں تمام معارف و حقائق اور اعمال و اخلاق کا سرچشمہ اسی توحید کو قرار دیا گیا ہے، پھر انہی کے ساتھ اسماء و صفات الٰہی کی ایسی مکمل تشریح فرمائی گئی ہے کہ شرک کے لئے مطلق کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اسرار توحید اور رموز وحدانیت کی قرآنی زبان میں وہ گوہر افشانی فرمائی گئی ہے کہ ایثار و اخلاص، نیکی و تقویٰ، محنت و عمل زندگی و تابندگی کا ولولہ و جوش رگ و ریشہ میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، خود انسان کی اپنی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صانع ہستی کا اعتراف کیا جائے۔ متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی اس اعتراف و اقرار کا سراغ ملتا ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات نے سیکڑوں مردہ اور گمنام قوموں کی تاریخ کا پتہ چلایا ہے جس میں سامان تمدن، اعلیٰ خیالات اور علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوتی ہو، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نظر نہیں آتی۔ ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے وہ کسی عبادت خانہ کی چہار دیواری ہوتی ہے، آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں جو بالکل وحشی قومیں ملتی ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں عالم کے خالق اور دنیا کے بنانے والے کے تخیل سے آزاد نہیں ہیں، غرضیکہ انسانوں کی کوئی جماعت، زمین کا کوئی گوشہ

اور زمانہ کا کوئی عہد اس عقیدہ سے خالی نہیں ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف و اقرار بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (روم ۴)

ترجمہ:۔ اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کرو، وہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (صحیح بخاری) ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کبھی کبھی خارجی اثرات کے تحت انسان کا یہ فطری جذبہ دب کر رہ جاتا ہے، اس لئے وحی محمدیؐ نے اس کو بار بار ابھارا ہے، فرمایا گیا ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم ۲)

ترجمہ:۔ کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے؟

ایک اور مقام پر فرمایا۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (طور ۲)

ترجمہ کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے آپ خالق ہیں، یا انھوں ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ سب کچھ نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ پھر مختلف دل نشین پیرایوں میں وحدانیت کے دلائل کا بار بار ذکر فرما کر سلیم الفطرت انسان کو کارخانۂ عالم کے صانع کے اقرار و اعتراف کی راہ سمجھائی گئی ہے۔

کائنات عالم کی یہ رنگینی، یہ تاروں بھرا آسمان۔ یہ زمین کا سبزہ زار فرش، یہ سورج یہ چاند، یہ سمندر، یہ پہاڑ یہ تغیر و انقلاب۔ انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب۔ زندگی اور موت کے راز۔ انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی بے کسی اور بے چارگی یہ تمام باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ نیلگوں آسمان کی چھت۔ یہ بوقلموں زمین اور شب و روز کا انقلاب کس کا پتہ دے رہے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران ۲۰)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اس قسم کی سیکڑوں آیتیں ہیں جن کا یہاں درج کرنا بھی مشکل ہے۔ ان سب آیات سے حکیم و دانا اور قادر مطلق صانع عالم کے وجود اور اس کی وحدانیت پر نہایت شگفتہ انداز میں دلائل قائم کئے گئے ہیں اور صانع عالم کے اعتراف و اقرار کو فطرت کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کا رکن شہادت وحدانیت وغیرہ کے اعتراف و اقرار کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اعتراف و اقرار کو بھی لازمی اور ضروری قرار دیتا ہے، وحدانیت الٰہ کا اعتراف بجائے خود نا تمام اور نامکمل رہتا ہے، جبتک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا اقرار و اعتراف نہ پایا جائے

بلکہ ساتھ ہی ختم نبوت پر یقین بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ توحید و رسالت پر یقین لازم فرمایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح رکوع ۴)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں تم (مخاطب) مردوں میں سے کسی کے (نسبی) باپ، ولیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیا ہیں

مسئلہ توحید کی طرح نبوت و رسالت کا مسئلہ بھی فطرت کے عین مطابق ہے چونکہ انسان میں حیوانی اور ملکوتی دو قسم کی صفات پائی جاتی ہیں، جبتک کہ حیوانی قوتیں ملکوتی قوت کے تابع نہ ہو جائیں، تو گو کہنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان عقل کے ذریعہ وہ اصول دریافت کر سکتا ہے جن کی بدولت حیوانی طاقتوں کو ملکوتی صفات کے تابع بنانے میں مدد مل سکے، مگر اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن ہے کہ عملی کیفیت کچھ اور رہی ہے اور وہ یہ کہ انسان کی آنکھوں پر دنیوی لذتوں، حرص لالچ، خواہشات اور غفلتوں کے اتنے توبرتو پردے پڑ جاتے ہیں کہ اس کا فطری ذوق تباہ اور برباد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے تو میٹھی سے میٹھی چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان اور ذوق کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد کی تمیز کو بھلا بیٹھتا ہے، اس لئے انسانیت کی فلاح و بہبود کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس کو ایسے صحیح رہنما اور روحانی معلم دیئے جائیں جن کے احساس اور ذوق و وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو اگر افراد اور جماعتوں اور اہل ملک کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی کامیاب سیاست کے زور سے ان میں صلح و آشتی اور امن و امان پیدا کر سکے تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہوگی جو اخلاق و روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد کی تعلیم اور تکمیل فریضہ انجام دینے والا ہو۔

بہرکیف انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اقرار و اعتراف کرے، اسی اعتراف و اقرار کو اسلام کا رکن اعظم مقرر کیا گیا ہے، اور حدیث جبرئیل میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اقامت صلوٰۃ

نماز کو قائم کرنا، یہ اسلام کا دوسرا رکن ہے، اور یہ اسلام کا وہ فریضہ ہے جس سے کوئی انسان جب تک اس میں کچھ بھی ہوش و حواس باقی ہے کسی حالت میں بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا، قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زائد اس کی تعریف اور اس کی بجا آوری کا حکم اور تاکید آئی ہے اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی کو نفاق کی علامت اور اس کے چھوڑ دینے کو کفر کی نشانی بتایا گیا ہے۔

نماز کے لئے اصل عربی لفظ "صلوٰۃ" ہے، صلوٰۃ کے معنی عربی زبان میں دعا کے آتے ہیں۔ اس لئے نماز کی لفظی حقیقت خدا سے درخواست اور التجا کرنا ہے، اور اس کی معنوی حقیقت بھی یہی ہے، حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے الدعاء هو العبادة فرمایا یعنی دعا ہی عبادت ہے، اس کے بعد پھر اس حدیث کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (مومن - ۶)

ترجمہ: مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر جائیں گے۔

(ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت (نماز) کی اصل حقیقت دعا و التجا ہی ہے انسان کو اپنی روحانی بے چینی، قلبی اضطراب اور ذہنی شورش کے عالم میں جب دنیا اور اس کی ہر چیز فانی، عقل کی ہر تدبیر بیکار، جسم کی ہر قوت عاجز، اور سلامتی کا ہر راستہ بند نظر آتا ہے تو سکون و اطمینان کی راحت اس کو صرف ایک قادر مطلق

کی پکار، دعا اور التجا ہی ملتی ہے، قرآن نے اس نکتہ کو یوں ادا کیا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ۴)

ترجمہ: ہاں خدا ہی کی یاد سے دل تسکین پاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مصیبتوں کے ہجوم اور تکلیفوں کی شدت کے وقت ثابت قدمی اور دعا کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (بقرہ)

ترجمہ: ثابت قدمی اور نماز (یا دعا) کے ذریعہ سے اپنی مصیبتوں میں مدد چاہو۔

پھر اسلام نے صرف نماز کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ "اقامت صلوٰۃ" کو فریضہ قرار دیا ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں جگہ جگہ یہی لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی نماز کو اس کے ارکان سنن وآداب کے ساتھ ادا کرنے کے ہیں، چنانچہ خوف کی حالت میں جبکہ دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ لاحق ہو تو نماز کے بعض آداب بلکہ ارکان وشرائط کو معاف کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے بعد ہی یہ کہا گیا ہے۔

فَاِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

ترجمہ: یعنی پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ "اقامت صلوٰۃ" کے معنی یہی ہیں کہ نماز کو اس کے تمام آداب وارکان وشرائط کے ساتھ بجا لایا جائے اس لئے نماز میں اطمینان، ارکان میں اعتدال اور خضوع وخشوع قائم رہنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز ناقص ہو گی اور "اقامت صلوٰۃ" کا رکن نامکمل رہے گا۔

زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ اگر نماز کے قائم کرنے سے ہم خالق کائنات کی فرض کردہ ذمہ داری سے سبکدوشی اور روحانی بالیدگی کے ساتھ نظام جماعت کا فائدہ بھی حاصل کر سکتے ہیں تو اسی طرح زکوٰۃ سے بھی مزید مصلحت یہ حاصل ہو سکتی ہے، کہ نظام جماعت کے لئے مالی سرمایہ کی امداد اس سے فراہم کی جائے، چونکہ ادائیگی زکوٰۃ سے آپس میں ہمدردی اور ایک دوسرے کی اعانت وامداد کا پایا جانا قدرتی امر ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ صرف اس مالی امداد کو کہتے ہیں جو دولت کی ایک خاص مقدار کے مالک مسلمان کے ذمہ عبادت کے طور پر مقررہ مقدار کے اندر واجب اور فرض ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں جہاں کہیں نماز کا ذکر ہے، اس کے متصل ہی ہمیشہ زکوٰۃ کو بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں بیس مقامات پر اقامت صلوٰۃ کے بعد ہی ایتاء زکوٰۃ مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ ساتھ جو فریضہ سب سے اہم ہے وہ زکوٰۃ ہے، نماز سے حقوق الٰہی کی ادائیگی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے تو زکوٰۃ سے حقوق العباد کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلام کا روحانی نظام اگر نماز با جماعت سے قائم کیا گیا ہے تو مادی نظام کے قیام کے لئے زکوٰۃ کی فرضیت سے مفید اشارات دیئے گئے ہیں، ایسے ہی انسان کی روحانی بیماریوں کے ایک بڑے حصہ کا علاج زکوٰۃ کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، ماسوی اللہ کی محبت اور مال ودولت اور سامان عیش ونشاط سے دل کا والہانہ انداز میں وابستہ ہو جانا ایک کھلی ہوئی روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ کے ذریعہ اس مرض کا کامیاب علاج کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ ۱۲)

ترجمہ: ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر ان کو پاک وصاف کیجئے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے محبوب مال میں سے کچھ نہ کچھ خدا کی راہ میں دیتے رہنے سے نفس انسانی کے آئینہ کا سب سے بڑا زنگ جس کا نام مال کی محبت ہے، دل سے دور ہو جاتا ہے بخل کی بیماری کا اس سے علاج ہو جاتا

قسط ۴

مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی
استاذ دار العلوم کراچی

تحریر و کتابت عہدِ رسالتؐ میں

آپ کی املاء کرائی ہوئی حدیثیں

اب ہم ان تحریری احادیث کا اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہتمام فرما کر املا کرائی ہیں اور انھیں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، ان میں ایسی بہت سی تحریروں کا ذکر بھی آئے گا جن پر آپ نے اپنی مہر بھی ثبت فرمائی، بلکہ انہیں گواہوں کے رو برو لکھوایا ہے۔

اس قسم کی کئی مثالیں "سراقہ" کے قصے، "دستورِ مملکت" اور "سرکاری تحریروں" کے ضمن میں بھی گذر چکی ہیں، مگر سیرت و حدیث کی مستند کتابوں میں اس قسم کی مثالیں دس بیس نہیں سیکڑوں ملتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس مقالہ میں ان سب کو جمع کیا جائے تو "مقالہ" کی بجائے ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی، اس لئے یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کتاب الصدقہ

مشہور و مستند کتب حدیث میں اس "کتاب الصدقہ" کی تفصیلات عام طور سے ملتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شہروں میں اپنے مقرر کردہ عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے لکھوائی تھی مگر بھیجنے سے قبل آپ کا وصال ہو گیا۔ پھر اس پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں تاحیات عمل کیا ــــ اس میں مویشیوں کا مفصل نصابِ زکوٰۃ، انکی عمریں، اور متعلقہ مسائل کی تفصیلات درج ہیں۔

چنانچہ سنن ابی داؤد و ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ

كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم "كتاب الصدقة" فلم يخرجه الى عماله حتى قبض فقرنه بسيفه فلما قبض عمل به ابو بكر حتى قبض ثم عمل به عمر حتى قبض فكان فيه في خمس من الابل شاة الخ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی آپ اسے اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپکی وفات ہو گئی آپ نے اسے اپنی تلوار کیساتھ لگا رکھا تھا آپکی وفات کے بعد امیر حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا یہانتک کہ وفات پائی پھر اس پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا یہاں تک کہ وفات پائی اس میں تحریر تھا کہ پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے الخ (آگے اس کتاب کا مفصل متن ہے جو اختصار کے لئے یہاں ترک کیا جاتا ہے)

اس کتاب کا تحفظ

پھر اس کتاب کی نقل در نقل حفظ او درس و تدریس کا سلسلہ متواتر جاری رہا حتی کہ موجودہ کتب حدیث مثلاً ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں اس کا مفصل متن محفوظ چلا آتا ہے۔ ابوداؤد نے زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے[۵۲]۔

---

۵۱ سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۲۱۹ ج اول (اصح المطابع کراچی) و جامع ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ الابل والغنم ص ۱۰۶ ج اول (قرآن محل کراچی)

۵۲ دیکھئے سنن ابی داؤد از ص ۲۱۸ تا ص ۲۲۰ ج اول (اصح المطابع کراچی)

مشہور محدث ابن شہاب زہری[1] رحمۃ اللہ علیہ یہ "کتاب الصدقہ" درساً پڑھا کرتے تھے ——— یہ کتاب ان تک کیسے پہنچی؟ اس کی تفصیل بھی انہوں نے خود ہی اپنے شاگردوں کو بتائی کہ

یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کتاب کا نسخہ ہے جو آپ نے صدقہ کے احکام میں لکھوائی تھی اور اصل نسخہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس ہو جو عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادہ سالم نے مجھے پڑھایا تھا میں نے اُسے بعینہٖ حفظ کر لیا تھا ——— نیز عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دونوں صاحبزادوں عبداللہ اور سالم سے حاصل کی تھی، میرے پاس یہ وہی نقل ہے۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انسؓ کو بحرین بھیجا تو ایک کتاب الصدقہ لکھ کر ان کو دی تھی جس کے اقتباسات اور مختصر مضامین صحیح بخاری وغیرہ میں بار بار[3] آتے ہیں، اس میں بھی وہی احکام ہیں جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصدقہ میں تھے ——— گمان ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ کوئی الگ کتاب نہیں بلکہ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصدقہ ہے کیونکہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت تھی ——— چنانچہ مشہور محدث و فقیہ حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

اخذت من ثمامة	میں نے حضرت انس کے پوتے ثمامہ سے
بن عبد الله بن انسؓ	ایک کتاب حاصل کی جس کے بارے میں
كتاباً زعم ان	ان کا کہنا ہے کہ یہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت
ابابكر كتبه لانس	انسؓ کو اس وقت لکھ کر دی تھی جبکہ انہیں
——— وعليه خاتم	زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا ———
رسول الله صلى الله	حالانکہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
عليه وسلم حين بعثه مصدقاً[4]	سلم کی مہر پڑی ہوئی تھی

ہو سکتا ہے کہ یہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصدقہ کی نقل ہو اور اس پر بعینہٖ مہر نہ ہو بلکہ مہر کے الفاظ "محمد رسول اللہ" بھی اس پر نقل کر دیئے گئے ہوں۔

کئی اور صحیفے

ایسی مثالیں بھی حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بکثرت ملتی ہیں کہ آپ نے کسی صحابی کو کسی مقام کا حاکم مقرر کیا یا کوئی اور مہم سپرد فرمائی تو اسلامی احکام پر مشتمل ہدایت نامہ لکھوا کر ان کو عطا فرمایا مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت علاء بن الحضرمی کو جب ہجر کے مجوسیوں کے پاس بھیجا تو انہیں ایک کتاب لکھوا کر دی جس میں زکوٰۃ اور عشر کے مفصل احکام[5] تھے۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ اور مالک بن مرارہ کو اہل یمن کی طرف بھیجتے وقت ان کو ایک کتاب لکھوا کر عنایت فرمائی جس میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے اسلامی احکام بھی درج تھے۔[6]

صحیفۂ عمرو بن حزمؓ

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ واقعہ ہے کہ ۱۰ھ میں جب یمن کا علاقہ "نجران" فتح ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اس کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا، رخصت کے وقت آپ نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے ایک کتاب لکھوا کر ان کے حوالہ کی[7] ——— جس میں عام نصیحتوں کے علاوہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر، حج، عمرہ، جہاد، غنیمت اور جزیہ کے احکام، نسلی قومیت کے نظریہ کی ممانعت، بالوں کی وضع، تعلیم قرآن اور طرز حکمرانی کے متعلق ہدایات درج تھیں۔[8]

حضرت عمرو بن حزم نے اپنے فرائض منصبی اسی کی روشنی میں انجام دیئے، ان کے انتقال کے بعد یہ قیمتی دستاویز ان کے پوتے ابوبکر بن محمد بن حزم کے پاس رہی، ———

ل ولادت ۵۸ھ وفات ۱۲۴ھ ۲ سنن ابوداؤد ص ۲۲۰ کتاب الزکوٰۃ ج اول۔ ۳ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ از ص ۱۹۴ تا ص ۱۹۶ ج اول (اصح المطابع کراچی) ۴ سنن ابوداؤد، کتاب الزکات ص ۲۱۸ ج اول (اصح المطابع کراچی) ۵ تفصیل کے لئے دیکھئے طبقات ص ۲۶۳ ج اول۔ ۶ ایضاً ص ۲۶۴ ج اول۔ ۷ طبقات ابن سعد ص ۲۶۷ ج اول (بیروت) و سنن النسائی ص ۲۱۸ ج ۲ (مکتبہ رحیمیہ دہلی ۱۳۵۰ھ) اسی مقام پر محشی نے نقل کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے "التلخیص" میں اس واقعہ کو "خبر مشہور" قرار دیا ہے۔ ۸ تفصیل کیلئے دیکھئے "الوثائق السیاسیہ" (نمبر ۲۰) از

——— ان سے مشہور امام حدیث ابن شہاب زہری رح نے یہ کتاب پڑھ کر اس کی نقل حاصل کی۔ چنانچہ امام زہری رح یہ کتاب بھی درساً پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح عہدِ رسالت کی یہ اہم دستاویز بھی بعد میں تالیف ہونے والی کتبِ حدیث کا جزء بن گئی،

خود امام زہری رح کا بیان ہے کہ

جاء نی ابوبکر بن حزم بکتاب فی رقعۃ من ادم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کتاب عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر لیکر آئے جو چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھی ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ

قرأتُ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی کتب لعمرو بن حزم حین بعثہ علی نجران وکان الکتاب عند ابی بکر بن حزم فکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ھٰذَا بَیَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" الخ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران بھیجتے وقت جو کتاب لکھوا کر دی تھی وہ میں نے پڑھی ہے وہ ابوبکر بن حزم کے پاس تھی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا کہ "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہدایت ہے" الخ (آگے اس دستاویز کا اقتباس ہے جو ہم نے اختصاراً چھوڑ دیا ہے۔

امام زہری رح نے اپنے شاگردوں کو اس کتاب کی نقل دکھاتے ہوئے کہا۔

بعث بہ مَعَ عمرو بن حزم فقُرِئَ علی اھل الیمن ھٰذہ نُسْخَتُہٗ الخ	یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے ساتھ بھیجی تھی چنانچہ یہ اہل یمن کو پڑھ کر سنائی گئی، اور یہ میرے پاس اسی کی نقل ہے[۱]۔

اس کتاب کے متن کے اقتباسات اکثر کتب حدیث مثلاً مسند احمد، مؤطا امام مالک، نسائی، دارمی وغیرہ میں زکاۃ اور دیات کے ابواب میں متفرق طور پر ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدرآبادی (مقیم پیرس) کو کہ انھوں نے ان تمام اقتباسات کو اپنی بیش قیمت تالیف "الوثائق السیاسیہ"[۲] میں مفصل حوالوں کے ساتھ یکجا کر دیا ہے یہ کتاب مصر کے مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر" نے ۱۹۴۱ء میں قاہرہ سے شائع کی ہے۔

عمرو بن حزم کی اہم تالیف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس صحیفہ کا ذکر اوپر آیا ہے اسے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ نہایت اہتمام سے محفوظ رکھا، بلکہ ایک بڑا کام یہ کیا کہ اکیس[۲] دوسرے نوشتے بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عادیا، بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینہ و جذام وطی و ثقیف کے نام لکھوائے تھے حاصل کئے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی، جو عہدِ رسالت کی سیاسی و سرکاری دستاویزوں کا اولین مجموعہ قرار دی جاسکتی ہے ـــ

دیبل (سندھ) کے مشہور محدث ابوجعفر دیبلی نے تیسری صدی ہجری میں اس تالیف کی جو روایت کی ہے وہ اب تک محفوظ چلی آتی ہے۔

چنانچہ ابن طولون کی تالیف "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" جس کا نسخہ بخط مؤلف دمشق کے کتب خانہ "المجمع العلمی" میں محفوظ ہے، اور چھپ بھی چکا ہے، اس میں حضرت عمرو بن حزم کی مذکورہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کردی گئی ہے[۳]۔

نومسلم وفود کے لئے صحائف

ایسا بکثرت ہوتا تھا کہ نومسلم قبائل کے وفود یا اشخاص اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لئے مدینہ منورہ آکر قیام کرتے، یہاں وہ قرآن وحدیث حفظ یاد کرتے اور وطن واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبائل کے لئے

---

[۱] مذکورہ تینوں روایات کی تفصیل کے لئے دیکھئے سنن نسائی ص ۲۱۸ ج دوم (مکتبہ رحیمیہ دہلی ۱۳۵۰ھ)۔ [۲] دیکھئے نمبر (۱۰۵) از ص ۱۰۴ تا ص ۱۰۹
[۳] یہ پوری تفصیل مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۳۶ سے ماخوذ ہے۔

اسلام کے بنیادی احکام بغرض تصدیق لکھواکر ان کو عطا فرمادیئے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت وائل[۵۱] بن حجر رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کے بعد جب وطن واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ

اُکْتُبْ لِیْ اِلیٰ قَوْمِی کِتَاباً میری قوم کے نام مجھے ایک کتاب لکھ دیجئے

تو آپ نے حضرت معاویہ کو حکم دیا کہ

اکتب لہٗ یا معاویۃ الیٰ	اے معاویہ! تم انہیں اقیال
الاقیال العباھلۃ	عباھلہ (حضرموت کے باشندوں)
لیقیموا الصلاۃ ویؤتوا	کے نام لکھدو کہ وہ نماز قائم کریں اور
الزکوٰۃ الخ۔	زکوٰۃ ادا کریں الخ

چنانچہ حضرت معاویہ نے ان کو تین دستاویزیں لکھکر دیں، ان میں سے ایک خاص ان کے بارے میں تھی اور دو عام تھیں۔ ان میں آپ نے نماز، زکوٰۃ[۵۲] اور اس کے بعض جزئی مسائل، مسلم فوجی دستوں کی امداد، شراب، سود اور کئی ایک امور سے متعلق احکام لکھوائے تھے[۵۳]۔

وفد عبد القیس کی مدینہ میں حاضری سے پہلے کا واقعہ ہے کہ اسی قبیلہ کے ایک صاحب منقذ بن حبان بغرض تجارت مدینہ منورہ آئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی برکت سے مشرف باسلام ہوگئے۔ واپسی کے وقت انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کتاب بھی حاصل کرلی۔ (ومعہ کتابہ علیہ الصلوٰۃ والسلام)[۵۴]۔ ابتداء میں تو اس کتاب کو انھوں نے لوگوں کے خوف سے چھپائے رکھا، لیکن جب ان کی کوشش سے اُن کے خُسر جو قبیلہ کے سردار بھی تھے مشرف باسلام ہوگئے تو اپنی قوم کو یہ کتاب بھی پڑھ کر سُنائی، جس کے نتیجہ میں یہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔ اور بالآخر ان کا وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہ وہی وفد عبد القیس ہے جس کا ذکر بخاری و مسلم میں خاصی تفصیل سے آیا ہے۔

اسی طرح آپ نے مندرجۂ ذیل وفود کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھواکر عنایت فرمائے۔

(۱) وفد قبیلہ خثعم، (۲) وفد الرھاویین (۳) وفد ثمالۃ والحدان

نیز قبیلۂ باھلہ کے دو بزرگوں مطرف بن الکاھن اور نہشل بن مالک کو الگ الگ صحیفے لکھواکر مرحمت فرمائے یہ دونوں صحیفے بھی اسلامی احکام پر مشتمل تھے۔

یہ تو محض مثالیں ہیں ورنہ طبقات ابن سعد کے "ذکر وفادات العرب" ج اول میں ان کی بہت مثالیں مفصل موجود ہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ مضمون صـ۱۶) حافظ تھیں ہوئے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴ ج ۲)

امام ابوزرعہ کا اپنا قول تہذیب التہذیب میں منقول ہے

"احفظ مائتی الف حدیث کما یحفظ الانسان قل ھو اللہ احد"

"مجھے ایک لاکھ حدیثیں اس طرح یاد ہیں جیسے لوگوں کو قل ہو اللہ احد یاد ہوتی ہے۔"

(تہذیب ص ۳۳ ج ۷)

---

[۵۱] طبقات ص ۲۸۷ ج اول۔ [۵۲] تفصیل کے لئے دیکھئے "الوثائق السیاسیہ نمبر (۱۳۱) از ص ۱۲۶ تا ص ۱۳۰۔ [۵۳] تفصیل کیلئے دیکھئے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷ ج اول۔ [۵۴] تفصیل کے لئے دیکھئے طبقات از ص ۳۴۴ تا ۳۵۰ ج اول (بیروت)

جناب سید محمود حسن صاحب

مصائب و حوادث کا علاج

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی دو نادر تحریریں

آجکل ہر طرف آلام و مصائب اور افکار و حوادث کا ہجوم ہے، مفلس اور متمول، مزدور اور سرمایہ دار، جاہل اور عالم مریض اور تندرست، محکوم اور حاکم، عوام اور خواص، سب ہی ان سے متاثر ہیں اور سکونِ قلب، اور طمانیتِ خاطر کسی کو بھی نصیب نہیں (الا ماشاء اللہ)۔ ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ پریشانی کی نوعیت مختلف ہے، کوئی تنگ دستی اور افلاس کا شکار ہے، کسی کی صحت خراب ہے، کوئی اولاد کی نالائقی اور بداطواری سے پریشان ہے، کسی کو بیوی کے ناروا طرزِ عمل کی شکایت ہے، کوئی شوہر کی بدسلوکی سے نالاں ہے، کسی کو اقارب و احباب کے نامناسب برتاؤ کا شکوہ ہے، اور کسی کو کوئی دوسری فکر اور پریشانی لاحق ہے۔ غرض یہ ہے کہ ؎

آماجگاہِ موجِ حوادث ہے آجکل
پُتلا بنا ہوا ہے غمِ روزگار کا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصائب و حوادث سے کسی طرح نجات ملے؟ اور سکونِ قلب کیسے حاصل ہو۔ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نزولِ حوادث و مصائب کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اس کو دور کیا جا سکے۔ اس لئے کہ جب سبب دور ہو جائے گا تو مصائب اور حوادث سے خود بخود نجات مل جائے گی۔

یوں تو ہمارے بہت سے "اصحابِ فکر و نظر" اور "اربابِ حل و عقد" بھی اپنے اپنے علم و فکر کے مطابق آئے دن ان تدابیر ....

کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے بھی نوع انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات ملے اور فلاح و عافیت نصیب ہو۔ لیکن کیا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اصل مرض کی تشخیص اور ازالۂ مرض کی تجویز میں ٹھوکر کھائی۔ ان کی نظر صرف اسباب طبعیہ تک محدود رہتی ہے، اسباب اصلیہ تک نہیں پہنچتی۔ مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کر کے آبادی کے اضافہ کو روک دیا جائے، زراعت کے جدید آلات استعمال کر کے اور کاشتکاری کے نئے نئے طریقے (جو "ترقی یافتہ" ممالک میں رائج ہیں) اختیار کر کے مزروعہ زمین کی پیداوار بڑھائی جائے، صنعت و حرفت کی ترقی، اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے نئے نئے کارخانے قائم کرلئے جائیں، سیلاب کو روکنے کے لئے بڑے بڑے مضبوط اور پختہ بند تعمیر کرلئے جائیں۔ حوادث ارضی کی روک تھام کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں، جرائم کے انسداد کے لئے سخت اور مؤثر قدم اٹھائے جائیں۔ تعلیم کی کمی اور بے روزگاری کو دور کر دیا جائے، علاج کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر دی جائیں .... تو موجودہ تکالیف کا سدِ باب اور زندگی کا معیار بلند ہو جائے گا اور انسان خوشحال اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ ان تدابیر میں سے پہلی کے سوا اکثر وہ ہیں جو اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے جائز اور مستحسن ہیں اور انہیں ضرور اختیار کرنا چاہیئے، لیکن یہاں ایک دوسرے پہلو کی طرف

توجہ دلانا مقصود ہے، اور وہ یہ کہ یہ تمام تدبیریں ظاہری اور مادی ہیں، اور مسلمان کے نقطۂ نظر سے ہرگز کافی نہیں، قرآن وحدیث نے ہمیں اپنے مصائب اور مشکلات دور کرنے کا کچھ اور طریقہ بھی بتلایا ہے، افسوس ہے کہ مسئلے کا یہ پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ ان مادی وسائل کے اختیار کرنے کو کون منع کرتا ہے، اختیار کیجئے اور ضرور کیجئے، لیکن یہ یاد رکھئے کہ صرف یہ وسائل اصل سبب کے لئے ازالہ کے لئے کافی نہیں۔

نزولِ حوادث و مصائب کا سبب معلوم کرنے کے لئے جب ہم قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسب ذیل آیات ہمارے سامنے آتی ہیں:۔

(۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

(خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجائیں)

لیکن کیا ہم اپنی بداعمالیوں سے باز آرہے ہیں؟ پھر جب سبب دور نہ ہو تو مسبب کیسے دور ہو سکتا ہے۔

(۲) وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۝

(اور تم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں سے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں)

اللہ اللہ یہ سزا تو ہمارے بعض اعمال کی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اگر سارے گناہوں پر گرفت ہوا کرتی تو کہاں ٹھکانا تھا، چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:۔

(۳) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

(اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر اُن کے اعمال کے سبب دارو گیر اور مؤاخذہ فرمانے لگتے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتے لیکن وہ ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، سو جب اُن کی وہ میعاد آ پہنچے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لیں گے)

لہٰذا ہم کو اس کا علاج کرنا چاہئے اور وہ علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال سیئہ کو حسنات سے بدلا جائے اور گذشتہ گناہوں سے استغفار کیا جائے۔ واللہ اس کے سوا ان بلاؤں کا کوئی علاج نہیں۔؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست
جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

(خلوت گاہِ حق یعنی تعلق مع اللہ کے سوا کہیں آرام نہیں")

کاش ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ

یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں اور اُن کا علاج توبہ و استغفار، ترک معاصی اور دعا رہے

قرآن وحدیث میں مصائب کا جو اصل سبب اور اُن کے ازالہ کی جو صحیح تدبیر بیان کی گئی ہے اس سے صرفِ نظر اور روگردانی کرکے "عقلائے زمانہ" اصلاحِ حال کے لئے کتنی ہی اور کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں، راقم السطور کی یہ پیشین گوئی نوٹ کرلی جائے کہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ مرض کی تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، او عازم کعبہ اگر ترکستان کی طرف جانے والے راستہ پر چلنے لگے تو یہ یقین غلط نہیں کہ وہ منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکے گا بلکہ اس سے بعید تر ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو غلط تدابیر اب تک اختیار کی گئیں اُن کا انجام یہی ہوا کہ اصلاح کی جگہ فساد بڑھتا رہا اور حالت روز بروز

؎ ماخوذ از مواعظِ اشرفیہ

روز بروز بد سے بد تر ہوتی چلی گئی۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے اور عقل سے صحیح طور پہ کام نہ لے تو اس کی رائے بھی غلط ہوگی اور عمل بھی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں، مثلاً اگر کسی علاقے میں سیلاب یا طوفان آجائے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ جائز ظاہری و مادی وسائل کو اختیار کرنے کے علاوہ ہم گذشتہ گناہوں سے استغفار کریں، جو گناہ کر رہے ہیں ان کو ترک کر دیں اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع وزاری کے ساتھ ازالۂ مصائب کے لئے دعا کریں (اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جائز طور پر بقدر وسعت و گنجائش زیادہ سے زیادہ مدد کریں) لیکن جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو یہ سیدھا اور صحیح علاج انسان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ سیلاب وطوفان سے متاثر ہونے والے افراد کی مالی مدد کرنے کے لئے مثلاً ورائٹی شو اور ایکٹریسوں کا میچ کراتا ہے اور ٹکٹ فروخت کرکے یا کسی دوسرے طریقہ سے جو شرعاً ناجائز اور اللہ کو ناپسند ہو رقم حاصل کرتا ہے۔ اور اس طرح اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے، اللہ کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے، گناہوں کو ترک کرکے اللہ کو راضی کرنے کی بجائے پھر گناہ کرکے اس کے مزید قہر کو دعوت دے۔ اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کرسکتا ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے، اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے۔

بہرحال سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، حقیقت ہے یہی کہ مصائب وحوادث (قحط، گرانی، پریشانی، بلاء، وباء، تباہی وبربادی، ہلاکتِ جان ومال، امساکِ باراں، پیداوار میں کمی، وغیرہ) کا سبب حق سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی وعدول حکمی اور معاصی (کثرتِ فواحش، زنا، ومقدماتِ زنا، لواطت ومقدماتِ لواطت، سود، شراب، ناپ تول میں کمی اور زکوٰۃ نہ ادا کرنا، وغیرہ) کا ارتکاب ہے۔ جس خطۂ زمین پر زنا کاری، شراب نوشی، سود خواری، رشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، قتل وغارت گری، اعزا واغلام اور دوسرے فواحش ومعاصی کی کثرت ہو وہاں، اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا اس کا قہر وغضب؟ ؎

اُس زمین پر آگ اور انگر برسنے چاہئیں

برق گرنی چاہیئے اژدر برسنے چاہئیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص تندرست ہے، صاحبِ اولاد ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، جس کے پاس کثیر دولت، شاندار مکانات، عمدہ اور نفیس ساز وسامان، بیش قیمت اور آرام دہ سواریاں اور ملازم وخدمت گار موجود ہیں اور جس کو جاہ واقتدار، حکومت وعظمت، اور سیادت وقیادت حاصل ہے وہ بہت خوش قسمت ہے، اور اس کو سکونِ قلب حاصل ہے، یہ درست ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب راحت ہیں، لیکن عین راحت نہیں، اسباب راحت اور راحت لازم وملزوم نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب راحت موجود ہوں وہاں راحت بھی ہو۔ دنیا اپنے غلط معیار کی بنا پر جن لوگوں کی ظاہری کامیابی اور کامرانی پر رشک کرتی ہے، اُن کے حالات کا قریب سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو انسان بعض اوقات یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ناز ونعمت، عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی بسر کرنے والے، طوفان رنگ وبو میں غرق ہوجانے والے اور اپنے زعم باطل میں نغمہ ورقص اور جام وسبو سے زندگی کی تلخیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے اپنے پہلو میں کس قدر بے چین اور بے قرار دل رکھتے ہیں، اور زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے کس درجہ محروم اور ناآشنا ہیں۔ اسبابِ راحت کو جمع کرنے کی غرض وغایت یہی تو ہے کہ انسان کو سکونِ قلب نصیب ہو اور جب یہ مقصد حاصل نہ ہو تو اسبابِ راحت کو لے کر کوئی کیا کرے؟۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسبابِ راحت مقصود بالذات نہیں مقصود

بالغیر ہیں۔ پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس سے سکون قلب یقینی طور پر حاصل ہو جائے۔ اس کا جواب نہ سائنس دانوں کے پاس ہے اور نہ ارباب علم و حکمت کے۔ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں ملتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

(خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

ہم تلاش کرتے ہیں سکونِ قلب کو اعلیٰ درجہ کے ماکولات و مشروبات، ملبوسات و مسکونات، دولت و ثروت میں، حکومت و سلطنت اور قیادت و امارت میں، حالانکہ یہ دولت صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی جد وجہد اور سعی و کاوش سے اسباب راحت جمع کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تب بھی یاد بغیر ترک معاصی اور رجوع الی اللہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے نہ تو آپ کو غم و اندوہ سے نجات ملے گی اور نہ سکونِ خاطر نصیب ہوگا۔ ع

اے کاش ترے دل میں اتر جائے مری بات

مرشدی و سندی حضرت حکیم الامۃ و مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ کے دو مضمون اب سے تقریباً ۵۳ سال قبل رسالہ الامداد (تھانہ بھون ضلع مظفر نگر) میں زیر عنوان "الاحکام الوقتیہ" ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ و جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئے تھے انکا بنیادی موضوع بھی یہی تھا۔ ذیل میں یہ دو تحریریں افادۂ عام کے لئے حاضر ہیں، امید ہے کہ ہم سب کے لئے سامانِ عبرت ہوں گی۔

(مضمون اول)

اسباب القحط والغلاء

ابر نایداز پئے منع زکوٰت

(۱) ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ایک طویل حدیث میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت میں، اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوٰۃ اپنے مال کی مگر محروم کئے گئے آسمانی بارش سے، پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی۔ الحدیث۔ اھ

(۲) معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر روک لیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو الحدیث۔

(۳) امام احمد نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا ان میں زنا مگر پکڑے جائیں گے قحط میں الحدیث (من علاج القحط والوباء)۔ اور

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت ہے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر قطع کیا گیا ان سے رزق الحدیث۔ روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوٰۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب قحط و گرانی و امساک باراں و کمی رزق کے یہ معلوم ہوئے۔

نمبر۱:۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔

نمبر۲:۔ زکوٰۃ نہ دینا۔

نمبر۳:۔ زنا کرنا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو البتہ کشادہ کر دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے اور زمین سے (شروع پارہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور مطلق تقویٰ میں کمی کرنا سبب ہے پیداوار بارش آسمانی اور زمین کی کمی کا۔

جب اسباب اس کے مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے یعنی ایمان کی درستی اعمال کی درستی تمام معاصی سے توبہ و استغفار کرنا خصوصاً حقوق العباد میں

کوتاہی کرنے سے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے اور زنا اور اس کے مقدمات سے کہ وہ بھی بحکم زنا ہی ہیں، جیسی بری نگاہ کرنا، نامحرم سے باتیں بقصدِ لذت کرنا۔ اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا۔ خصوص گانے بجانے سے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس کو علاج فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے روبرو (اعمالِ سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمالِ صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر بارش کو بڑی کثرت سے بھیجے گا (پارہ ۱۲ رکوع ۴)۔

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو مؤثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا رائے زنی و پیشین گوئی تخمینی کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اُن کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا، دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو سبب نہ کہے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے۔ مگر جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ سو کیا یہ غلطی نہیں ہوگی؟ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

نمبر ۱:۔ بعض لوگ امساکِ باران کے لئے کچھ تعویذ لکھ کر آسمان کے نیچے رکھتے ہیں۔

نمبر ۲:۔ بعض جو پہلوں سے اسلم ہیں چندہ کے طور پر کچھ جنس و نقد جمع کر کے کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔

نمبر ۳:۔ بعض جو ان پچھلوں سے اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں کالعدم ہے۔ اور اگر مجہول الحقیقت ہو تو بوجہ عدم جواز مضر ہے اور امر ثانی نافع ہے مگر ناکافی ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو چنانچہ جمع کرنے میں وجاہت سے کام لینا یا تقسیم میں اپنے نفس کو یا اپنے اہل خصوصیت کو بدون حاجت یا بدون اندازِ حاجت دوسرے مساکین پر مقدم رکھنا اور اہل اثر کا اس میں مالکانہ تصرف کرنا جیسا کہ یہ امور مشاہد ہیں تو برعکس اور زیادہ مضر ہے۔ امر سوم بدلیل درود سنت کافی ہے مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنیٰ اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اُس دعاء و استسقاء کی استغفار ہے چنانچہ حصن حصین میں جو دعاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کی وارد ہے اُس میں "فارسل السماء علینا مدرارا" کے قبل یہ جملے ہیں "انت المستغفر الغفار نستغفرک للحامات من ذنوبنا و نتوب الیک من عوام خطایانا" پھر فارسل الخ کو متفرع فرمایا گیا ہے جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہے۔

لطیفۂ عنایت ـــــ اس مضمون کے لکھنے کے بعد ایک نماز کے بعد دعاء بارش کی کی گئی۔ عرض کیا گیا کہ دعاء کے ساتھ گناہوں سے بھی توبہ کرو کہ زیادہ سبب بارش نہ ہونے کا یہی ہمارے گناہ ہیں۔ چنانچہ استغفار بھی کیا گیا۔ اُسی تاریخ میں خدا تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ایک معتد بہا مدت تک کے لئے کافی بارش ہوگئی وللہ الحمد۔

لطیفۂ عبارت (نمبر ۱) اس ماہ کے اور ماہ آئندہ کے مضامین احکام و تقلیبیہ میں ایک عجیب اتفاقی رعایت ہوگئی کہ ایک مضمون کے ہر جزو کے محاذاۃ میں دوسرے مضمون کا ایک ایک جزو واقع ہوا ہے، کہیں تقابل کے ساتھ، کہیں تشاکل و تماثل کے ساتھ، چنانچہ باہم تطابق سے یہ رعایت معنویہ معلوم کر کے حظ ہوگا۔

(نمبر ۲) دونوں مضمونوں کے موضوع یعنی غلاء و وباء میں عادۃً کسی قدر جمود و رکود یعنی قرار بھی ہوا کرتا ہے تو دونوں کا ہر دو ماہ جمادیین میں درج ہونا بھی عجیب رعایت مناسبت لفظیہ ہے۔

(مضمون دوم)

اسباب البلاء والوباء

وز زنا افتد وبا اندر جہات

(۱) ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتیٰ کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئی طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو اُن کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ الحدیث۔ اور

(۲) معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی اُن میں موت یعنی وبا۔ الحدیث۔ اور

(۳) سماک ابن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا۔

(۴) صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو، کیونکہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ جس برتن یا مشکیزہ پر اس کا گذر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اس میں وہ وبا داخل ہو جاتی ہے (من علاج القحط والوباء) اور

(۵) حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں رائج ہوا زنا کسی قوم میں مگر کثرت سے ہونے لگی اُن میں موت۔ الحدیث روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوٰۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب طاعون وامراض عجیبہ اور مطلق وبا اور ہلاکتِ جان بالموت یا بالقتل یا ہلاکت مال بالقحط یا بالغارۃ کے یہ معلوم ہوئے۔

نمبر ۱:- زنا اور مطلق کثرتِ فحش، جس میں زنا کے مقدمات اور امرد پرستی سب داخل ہیں۔

نمبر ۲:- سود کا لین دین۔

نمبر ۳:- برتنوں کا شب کو کھلا رہنا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس نازل کی ہم نے اُن ظالموں پر (یعنی ظالمان بنی اسرائیل پر) ایک آفت سماوی (یعنی طاعون کما فی التفاسیر) اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے اھ (پارہ یکم قریب نصف)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلق نافرمانی بھی سبب ہوتا ہے طاعون کا۔

جب سب اسباب مشخص ہو گئے تو علاج اس کا اُن اسباب کا ازالہ ہے یعنی فرماں برداری اور معاصی کا ترک کرنا اور ہر نافرمانی سے توبہ واستغفار کرنا۔ خصوص فحش مثل زنا و مقدمات زنا ولواطت و مقدمات لواطت مثل نظر بد و تلذذ بالکلام وغیرہ سے اور سود کے لین دین سے اور یہ تدبیر دافع بھی ہے اور رافع بھی۔ اور شب کے وقت برتنوں کو ڈھانکنا اور یہ تدبیر صرف حافظ اور مانع ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس تدبیر کو علاج فرمایا ہے کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو بیشک وہ تم کو وقت مقرر (یعنی ختم عمر) تک خوش عیشی دے گا یعنی اسباب پریشانی و بلیات سے محفوظ رکھے گا۔

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو مؤثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا تعداد اموات یا سبّ وشتم طاعون ووبا کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعتِ وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے (جیسا کہ اس کے قبل اسباب القحط والغلاء کے مضمون میں بھی لکھا گیا ہے) ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو نہ دیکھے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے، سو کیا یہ غلطی نہ

ہو گی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے فقط۔

فروع

نمبر ۱:۔ بعض لوگ دفع یا حفظ وبا و بلا کے لئے بستی کو چھوڑ کر خواہ اُس نواح میں یا دوسرے بلاد میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ادویہ حافظ و دافع کا استعمال کرتے ہیں۔

نمبر ۲:۔ بعض لوگ جو پہلوں سے اسلم ہیں تعویذ ابواب پر یا اعناق میں چسپاں و آویزاں کرتے ہیں یا آدمیوں پر اور بعضے جانوروں پر مثل چیلوں وغیرہ کے گوشت وغیرہ تصدق کرتے ہیں یا کسی بکرے وغیرہ پر کسی خاص طریقہ سے کچھ دعا پڑھ کر اُس کو ذبح کر کے باہم گوشت تقسیم ... کیا کرتے ہیں یا سورۂ تغابن وغیرہ پڑھا کرتے ہیں یا علاوہ اذانِ نماز کے زائد اذانیں پکار پکار کر کہتے ہیں۔

نمبر ۳:۔ بعضے جو ان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور بزرگوں سے دعا کراتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں جس حد تک عام لوگوں کا زعم ہے کہ اس کو مؤثر طبعی غیر مختلف سمجھتے ہیں اُس درجہ میں کالعدم ہاں باذن الخالق مع احتمال التخلف اثر ثابت ہے اور اگر مؤثر یقینی سمجھے یا دوسری بستی میں منتقل ہو جائے یا حرام دوا استعمال کرے تو بوجہ معصیت ہونے کے مضر اور سبب غضب حق ہے، اور امر ثانی کے اجزاء بجز جزء اخیر یعنی زائد اذانوں کے کہ خلاف سنت ہے باقی اجزاء نافع ہیں مگر نا کافی ہیں اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہوں مثلاً جانوروں کو آدمیوں پر مقدم کرنا یا گوشت ہی کی تخصیص کا اعتقاد کرنا یا یہ سمجھنا کہ اس گوشت میں بلا لپٹی ہوئی ہے یا مساکین کی تقسیم کے لئے اُسی طرح چندہ جمع اور خرچ کرنا جیسا بہ جز سابقہ کے فروع نمبر ۲ میں مذکور ہوا ہے تو برعکس اور زیادہ مضر ہے اور اذان للطاعون کا غیر مشروع ہونا مدلل و مفصل فتاویٰ امدادیہ جلد سوم ۷ میں مذکور ہے، اور امر ثالث بدلیل حدیث" لا یرد القضاء الا الدعاء" کافی ہے مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنیٰ و روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا کی توجہ الی اللہ و ترکِ معاصی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے" ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ" اور ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا لباس و طعام وغیرہ سب حرام ہے اور وہ دعا کرتا ہے" فانی یستجاب لہ" جس سے ضرورتِ جمع واضح طور پر ثابت ہوتی ہے فقط۔

وفاداری

خلیفہ منصور ایک مرتبہ مدینہ آئے تو اونٹ والوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، قاضی نے منصور کے پاس بلاوا بھیجا، قاصد ڈرتے ڈرتے قاضی کا پیغام لیکر پہنچا تو منصور مدینہ طیبہ کے معززافراد کے ساتھ بیٹھے تھے، قاضی کا پیغام سنکر انھوں نے لوگوں سے کہا "مجھے عدالت میں بلایا گیا ہے، اب میں وہاں جا رہا ہوں، لیکن میرے جاتے وقت تم میں سے کوئی تعظیماً کھڑا نہ ہو" یہ کہکر وہ مسجد نبوی کی طرف چلے جہاں بیٹھ کر قاضی محمد بن عمران فیصلے کیا کرتے تھے، جا کر پہلے روضۂ اطہر پر سلام عرض کیا پھر قاضی کی مجلس میں پہنچے، قاضی نے اونٹ والوں کو بلایا، منصور ان کے ساتھ بالکل مساوی حیثیت میں بیٹھے، کارروائی شروع ہوئی، گواہ پیش ہوئے، قاضی نے منصور کے خلاف اونٹ والوں کے حق میں فیصلہ کر دیا ——— منصور واپس پہنچے تو اپنے خادم سے کہا: "جاؤ، جب قاضی صاحب فارغ ہو چکیں تو انھیں بلا لاؤ" ——— تھوڑی دیر بعد قاضی محمد بن عمران تشریف لے آئے، آکر سلام کیا، منصور نے سلام کا جواب دے کر کہا:

"تم نے اپنے دین، اپنے نبیؐ، اپنے حسب و نسب اور اپنے خلیفہ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا، اس کی جزا تو تمہیں اللہ دیگا، میں نے تمہارے لئے انعام کے طور پر دس ہزار درہم کا حکم لکھ دیا ہے"۔

کچھ شگفتہ تذکرے

جناب محمد زکی صاحب کیفی
لاہور

حضرت میاں صاحب

مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ کی زندگی کے کچھ نقوش

جمگھٹ وہ گل رخوں کے الٰہی کدھر گئے؟
کیا ہوگیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا!

تقریباً تیس بتیس سال پہلے کی بات ہے، گرمیوں کی ایک صبح کو لڑکپن کی مست نیند سے بیدار ہوا تو گھر بھر کو مغموم اور گریاں پایا، معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رح کا انتقال ہوگیا۔ خبر سنتے ہی دل بیٹھ گیا اس لئے نہیں کہ مجھے شاہ صاحب سے عقیدت تھی بلکہ صرف اس تصور سے کہ ہمیں جو مٹھائی ہر دفعہ ان کے پاس جانے سے ملا کرتی تھی وہ بند ہو جائے گی۔

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیری رح) کا انتقال ہوا تھا، میاں صاحب مولانا اصغر حسین کا نہیں۔

شاہ۔ اور میاں کے فرق کو سمجھنے کا اس وقت شعور ہی کہاں تھا؟ بہرحال میاں صاحب مولانا اصغر حسینؒ کی محبت و شفقت کا میرے ذہن پر یہ پہلا نقش تھا۔

اس کے بعد میاں صاحب کی زیارت سفر و حضر میں بارہا ہوتی رہی، اور ہر بار ایک گہرا نقش چھوڑتی رہی اس پر میں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گنہگار آنکھوں کو بھی اپنے ان مخلصین کی زیارت کا شرف بخشا جو دور اول کے علم و عمل اور اخلاص و محبت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، اگرچہ اپنی بداعمالیوں اور لغزشوں کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کیسے کیسے رحمتوں کے بادل برسے لیکن میں اپنی بدنصیبی اور شامت اعمال کی وجہ سے اپنے لب بھی تر نہ کر سکا، اگر اسی بات پر پکڑ ہوگئی تو خدا کو کیا جواب دے سکوں گا۔

میاں صاحب حضرت مولانا اصغر حسینؒ کے متعلق خود میاں صاحب کے بزرگوں اور اساتذ کو ان کا احترام کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا کہ یہ تو مادرزاد ولی ہیں۔ اساتذ بھی نام لینے کے بجائے میاں صاحب ہی کہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ جو اس وقت دار العلوم کے سید الطائفہ تھے وہ بھی ان کو ہمارے سید صاحب کہکر خطاب فرماتے۔

میاں صاحب کے علم و عمل اور صلاح و تقویٰ کو تو اہل علم صاحب باطن اور صاحب بصیرت حضرات ہی جانتے ہوں گے۔ اس تباہ حال و گنہگار نے اس مجسمۂ شفقت د

واخلاص کو جن حالتوں میں دیکھا، جو الفاظ زبان فیض ترجمان سے سنے جو نصائح و عبر ان کی صحبت سے حاصل ہوتے رہے، ان کے جس رُخ پر بھی جتنا زائد سے زائد لکھا جائے وہ کم ہے اور اس کی ضرورت بھی بہت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عالم اہل دل کے کرنے کا ہے، میں نہ تحریر پر قدرت رکھتا ہوں نہ ان علوم و معارف سے آشنا جن کے میاں صاحب شناور تھے

تفصیلی حالاتِ زندگی لکھنے کی نہ مجھ میں صلاحیت ہے اور نہ اس کا یہ موقعہ ہے، اس وقت صرف وہ چند واقعات جو اس وقت ذہن میں آگئے پیش کر رہا ہوں، ممکن ہے میری اس سرسری تحریر کو دیکھ کر ہی کسی صاحب کے دل میں اس عظیم شخصیت پر جامع مضمون لکھنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔

میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی ایک روز میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا۔ صبح کے دس بجے ہوں گے کہ میں اس آستانۂ ہدایت پر پہنچا۔ میاں صاحب کی زیارت سے دولتِ سرمدی حاصل کی۔ میاں صاحبؒ تو سراپا شفقت اور پیکر محبوبیت تھے، مختلف نصیحتیں فرماتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں عربی کی ابتدائی کتب پڑھ رہا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے۔

میاں صاحب معمول کے مطابق کچھ دیر تسبیح و استغفار میں مشغول رہے، پھر فرمانے لگے میاں! علم انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے، اور انسان خود کو عام لوگوں سے بلند و بالا سمجھنے لگتا ہے اگر علم کے ساتھ تقویٰ اور خشیت نہ ہو تو جہل اس سے بدرجہا بہتر ہے! اہل علم کے لئے ان جملوں میں جو درس عبرت ہے اس کی اہمیت و قیمت کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کے لئے علمی برتری کا احساس ہی ایسا روگ ہے جو ان کی اس فضیلت کو معصیت میں تبدیل کر دیتا ہے، اور خدمت خلق اور افادۂ عوام کے لئے سد سکندری بن جاتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے مرجع خلائق بنایا تھا ہر وقت آنے والوں کا ہجوم رہتا تھا، ادھر طبعی مذاق خلوت پسندی کا تھا اس کے ساتھ علمی خدمات تھیں جن کی وجہ سے اکثر دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے، عصر کے بعد عام مجلس ہوتی تھی، دوسرے اوقات میں دروازہ بند رہتا تھا اس وقت کوئی حاضر ہو تو دروازہ پر دستک دے کر اجازت لینے کا معمول تھا۔ کچھ یہ بھی مقصود ہو تو بعید نہیں کہ شریعت کا یہ حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت کسی کے مکان پر جاؤ تو بلا اجازت داخل نہ ہو عام لوگوں میں متروک ہو رہی ہے۔ اس سنت کا احیا کرنا پیش نظر تھا، لیکن مجھ پر چونکہ بے حد شفقت تھی اور میرے لڑکپن کی وجہ سے بھی صرف نظر بھی فرماتے تھے، میں بغیر اطلاع ہی اندر چلا جایا کرتا تھا۔

ایک روز حاضر ہوا تو دروازہ پر چند ذی وجاہت لوگوں کو اجازت ملنے کا منتظر پایا، فوراً ہی دل میں فخر و غرور کا ایک جذبہ بیدار ہوا کہ ہمیں میاں صاحب نے اس قانون سے مستثنیٰ کر رکھا ہے، اسی فخر کے اظہار کے لئے بلا تامل اندر پہنچ گیا۔ میاں صاحبؒ صحن مکان کے ایک گوشہ میں چارپائی پر تشریف فرما تھے، جا کر سلام عرض کیا۔

میاں صاحب کی نظر حقیقت شناس نے فوراً ہی دل کا چور پکڑ لیا، غصہ کے انداز میں ہلکی سی گوشمالی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا، ارے مولوی کے لڑکے! تم بڑے بدتمیز ہو، کہ بغیر اجازت حاصل کئے مکان میں گھس آئے، چلو نکلو یہاں سے اور دروازہ پر جا کر بلند آواز سے کہو کہ زکی آیا ہے اور حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔" با دلِ ناخواستہ پسپا ہو کر تعمیل ارشاد کی گئی، اور تھوڑے سے وقفۂ امتحان کے بعد حاضری کی اجازت مل گئی۔

اگر صرف اس وقت نصیحت پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تو یہ اثر کہاں ہوتا، اس معمولی سے مجاہدے نے وہ کام کیا کہ شاید عرصۂ دراز کی محنت سے بھی وہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ فخر و غرور

نفس تکبر و ادعا کے امراض ایک مسیحا نفس کی ہلکی سی تدبیر سے دفعتاً غائب ہوگئے۔

وہ دن اور آج کا دن نہ کبھی پھر اس پر غرور اور تکبر ہوا، اور نہ ایسی بے احتیاطی، اور اسی کا ثمرہ ہے کہ اب سنّتِ نبوی کے مطابق اپنے گھر میں بھی آواز دے کر جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

شام کو بعد نماز عصر عام مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر شخص کو حاضری کی اجازت تھی، عموماً دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم طلبا اور میاں صاحبؒ کے عقیدتمند اہل شہر اتنی کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے کہ میاں صاحبؒ کے مکان کا قاصم بڑا صحن بھر جایا کرتا تھا۔

ایک روز میں بھی حاضر ہوا، مجمع زیادہ تھا، میں بھی ایک گوشہ میں جاکر بیٹھ گیا، اور ملفوظات سنتا رہا، مغرب کی اذان پر یہ علوم و معارف کی مجلس برخاست ہوئی، میں بھی اٹھ کر چلا قریب پہنچنے پر سلام عرض کیا، دیکھ کر پہچان لیا اور روک کر ارشاد فرمایا کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو صاحب خانہ کے علم میں تمہاری موجودگی ہونی چاہیئے۔ خاموشی سے بغیر اطلاع دیئے بیٹھ جانا درست نہیں، بعض اوقات اس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں، ممکن ہے میں کوئی بات تم سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری موجودگی کا علم نہ ہونے کی بنا پر وہ بات کہہ دوں تو؟

یہ تو ارشاد فرمایا، اور ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ حضرت میاں صاحب کی عادت تھی کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو جائے ہر ایک سے کچھ خصوصی خطاب فرما کر اس کی دلجوئی کیا کرتے تھے یہ پسند نہ تھا کہ کوئی شخص مجلس میں آئے اور چلا جائے نہ حضرت کو اس کا علم ہو اور نہ وہ حضرت کے خصوصی خطاب سے مستفید ہو سکے۔

تعلیم کے زمانہ میں طلبا کا عملی سیاست میں الجھنا میاں صاحبؒ کو ناپسند تھا، اور اس سلسلہ میں ہمیشہ طلبا کو اپنے خصوص شفقانہ انداز میں نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ خصوصاً کانگریسی سیاست کو مسلمانوں کے لئے مضر جانتے تھے، اور اسی وجہ سے گاندھی ٹوپی سے سخت نفرت تھی، بعض طالب علم وہ پہن کر آجاتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اس شیطانی کیپ کا داخلہ میرے اس جھونپڑے میں ممنوع ہے، اور کہیں تو میرا اختیار نہیں، مگر میاں کا میں صاحب اختیار ہوں، اگر یہ ٹوپی پہننا ہے تو میرے پاس مت آئیں۔

ایک روز والد صاحب مدظلہم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) اور یہ ناکارہ بعد مغرب در دولت پر حاضر ہوئے فرمانے لگے آم چوسو گے؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ، نورٌ علیٰ نور! ضرور عطا ہوں، میاں صاحب اٹھے، ایک ٹوکری میں آم لاکر رکھے، اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی چھلکوں کے لئے سامنے لاکر رکھدی، ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لئے چلے، پوچھا یہ ٹوکری کہاں لیکر چلے عرض کیا چھلکے باہر پھینکنے کے لئے جا رہا ہوں، ارشاد ہوا کہ پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ چھلکے پھینکنا کونسا خصوصی فن ہے، جس کو سیکھنا ضروری ہے؟ فرمایا، ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں، لاؤ مجھے دو، خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے علیحدہ کئے، اس کے بعد باہر تشریف لائے، اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین جگہوں پر چھلکے رکھدیئے، اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈالدیں، والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غربا و مساکین رہتے ہیں، زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے، اگر وہ پھلوں کے یکجائی چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا، اور بے مائگی کی وجہ سے حسرت ہوگی، اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا۔ اس لئے متفرق کرکے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گذرتے ہیں یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں۔

اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی دیتے جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں، بچے ان کو بھون کر کھالیتے ہیں، یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہے ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں، عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے، اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے، اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں، بعض فقہا نے بازار کے کھانے سے اسی لئے پرہیز فرمایا ہے کہ ان پر غریبوں کی نظریں پڑتی ہیں اور نادار ی کے سبب وہ ان کی حسرت کا سبب بنتی ہے۔

دیکھئے ان اللہ والوں کی نظر دنیا کے کاموں میں کیسی دقیق ہوتی ہے، اور ہر چیز کا حق کس کس طرح ادا کرتے ہیں۔

حضرت میاں صاحب کے لئے جو کھانا گھر سے آتا تھا خود تو بہت کم خوراک تھے، باقی کھانا محلے کے بچوں کو بلا کر کھلاتے تھے جو بوٹی بچ جائے اس کو بلی کے لئے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لئے اور دستر خوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہے حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا، ان کو ٹھکانے لگانا انہیں صاحب بصیرت بزرگوں کا حصہ تھا آج تو ہر گھر میں بچا ہوا کھانا سڑتا ہے اور نالیوں میں جاتا ہے جس کا اگر اہتمام کیا جاتا تو بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرتا۔

۱۰۔۱ اقربا، احباب، اہل محلہ کے حقوق و جذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد با خدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا جس پر ہر سال کہگل ہونا ضروری تھی، اگر نہ کی جاتی تو مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا، ہر سال برسات سے پہلے اس پر کہگل کراتے کا معمول تھا، اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا، ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات کہی میرا بھی اندازہ یہی ہے کہ پانچ سات سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ میں پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے، ہم بڈھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے، یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں ایسی حالت میں، میاں صاحب کیا اچھا لگتا کہ اپنا مکان پختہ بنا کر بیٹھ جاتا، پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اُس وقت یہ راز کھلا کہ یہ حضرات کس مقام بلند پر ہیں ان کے اعمال و افعال کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں، پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت اور ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحب کی فطرت بنی ہوئی تھی، دوسروں کا اس کی طرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحبؒ نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے، حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا، تو امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے گھی کھانا ترک کر دیا، اور فرمایا میں اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینہ کے عوام گھی کھانے لگیں۔

یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار، ہمدردی

اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ کی زندگی میں نظر آئی۔

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ فرماتے۔ اختلاف بھی۔ اختلافُ اُمتی رحمۃٌ کی تشریح پر تھا اختلاف کی حدود سے سر مو تجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحبؒ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں، البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لئے چلنا ضرور ہے۔ چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی، بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لئے بھی نماز کا اعلان فرما دیا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے، اور بغیر بارش ہوئے واپس آگئے۔ تیسرے روز کے لئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔ اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھادوں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحبؒ تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے، آج انھوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہرکیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحبؒ کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی، شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام و نشان نہ تھا، مجبور ہو کر پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو، میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ یہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں، کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے۔ اب اگر بدنامی ہوتی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے، اور اس کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے، اور اگر رفتا بو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کر دیا جائے۔

لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دلفریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سیکڑوں اتحاد قربان کئے جا سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے۔ اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

حضرت میاں صاحبؒ کو روزمرہ کے واقعات سے عبرت آموزی کا خاص انداز تھا آنے والے ہر واقعہ سے کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرتے تھے۔ آپ کا مکان دارالعلوم سے کافی فاصلہ پر محلہ قلعہ میں ہے، شہر سے باہر باہر آنے کا دستور تھا، راستہ میں کچھ جنگل بھی پڑتا تھا۔

دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد معمول یہ تھا کہ ایک کمرہ جس میں حضرت موصوف کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی تھا "دارالتدریس والاشاعت" کے نام سے موسوم تھا، میرے

والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی درس سے فارغ اوقات میں یہاں بیٹھتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی سبق پڑھانے سے پہلے اور بعد میں کچھ دیر یہاں تشریف رکھتے تھے۔

ایک روز مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں والد صاحب اس تماشے کی حقیقت سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوگئے فرمایا کہ محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں، ایک دوسرے کو مارتی تھی۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے، اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے، حصوں میں کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں، ہم ان کی کم عقلی اور بچکانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بیوقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں، اگر ان کو چشم حقیقت بیں نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ ان عقلاء زماں اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچیوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فنا ہونے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے لئے ارشاد فرمایا۔

الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب

دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں غور کیجیے اس طرح کے سیکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گذرتے ہیں مگر کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے؟

. . . .

لمحات زندگی کی قدر شناسی

ایک روز والد صاحب حسب معمول مغرب کے بعد حاضر خدمت ہوئے، عموماً مغرب سے عشا تک یہ مجلس رہا کرتی تھی، آج خلاف عادت فرمایا کہ آج ہماری گفتگو عربی میں ہوگی۔ سبب پوچھنے کی تو جرأت نہ ہوئی، خود ہی گفتگو کی ابتدا عربی میں فرما دی پھر والد صاحب نے بھی جو کچھ کہا عربی ہی میں کہا۔ لیکن طرفین کو عربی زبان میں مکالمہ کی عادت تو تھی نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوچ سوچ کر صرف ضروری باتیں کہی اور سنی گئیں۔ اپنی زبان میں جس بسط و تفصیل سے کلام ہوا کرتا تھا اور ایک منٹ کی بات میں پانچ منٹ خرچ ہو جایا کرتے تھے۔ اس کا ایسا انسداد ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مجلس ختم ہوگئی۔

اس وقت فرمایا کہ زندگی کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی بلکہ بے بہا جواہرات ہیں ان کو فضول کام یا کلام میں صرف کرنا بڑی بے عقلی ہے، میں جانتا تھا کہ گفتگو عربی میں کریں گے تو صرف ضروری کلام ہی ہوگا اس لئے یہ کہا تھا۔ اور فرمایا کہ ہماری مثال اس دولتمند انسان کی سی ہے جس کے خزانے میں بے شمار گنیاں بھری ہوئی ہیں اور وہ بے دریغ خرچ کر رہا ہے، مگر اسی طرح ایک ایسا وقت آگیا جب خزانہ خالی ہونے کے قریب آیا اور چند گنی چنی گنیاں رہ گئیں تو اب وہ بہت دیکھ بھال کر خرچ کرتا ہے ہاتھ روکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر کے بے شمار جواہرات عطا فرمائے تھے جن کو ہم بے دریغ خرچ کر چکے اب عمر آخر ہے خزانہ خالی ہونے کو ہے اس لئے ایک ایک منٹ دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہئے۔

میاں صاحب کی زندگی کا ہر گوشہ بلکہ ہر حرکت و سکون ہر بات ہر ادا، صحیح اسلامی زندگی کا ایک عظیم درس تھا، کاش ہم اس سے سبق حاصل کرتے۔

اس وقت جو واقعات دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے حافظہ میں محفوظ تھے بغیر کسی ترتیب کے حوالہ قرطاس کر دیئے ہیں۔ اگر پھر کچھ واقعات

یاد آگئے تو کسی دوسری صحبت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ ؎

موقوف ہو غم میر کہ شب ہو چکی ہمدم
بس اور کسی روز یہ افسانہ کہیں گے

چند جملوں کا ایک خط

حضرت میاں صاحبؒ پر یہ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرمایا تو مندرجہ ذیل چند سطریں بطور تتمہ تحریر فرمائیں۔ "ادارہ"

برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہ نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات و مقالات مجھ سے ہی سنے ہوئے لکھ لئے، اس سے تو خوشی ہوئی کہ انھوں نے ان کلمات کی قدر پہچانی اور یاد رکھا۔

لیکن اس یگانۂ روزگار ہستی کے علمی و عملی کمالات اور مخصوص طرز زندگی کی کوئی جھلک بھی ان چند کلمات کے ذریعہ نہیں دیکھی جاسکتی، برخوردار نے یہ چند سطور لکھ کر ماضی کی ایک ایک بھولی ہوئی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر کے تڑپا ہی دیا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نورانی چہرہ گویا سامنے آگیا، آپ کے کلمات دلنواز کانوں میں گونجنے لگے، کبھی کبھی کے واقعات یاد آنے لگے۔ مگر ان کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت، فرصت کہاں سے لاؤں، صرف ایک خط کے الفاظ اس وقت بے ساختہ قلب و زبان پر آگئے جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شگفتہ اور معنی خیز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔ اس جگہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تجارتی کتب خانہ آخر میں تھوڑی سی قیمت لگا کر مجھے عطا فرما دیا تھا اور اس کی قیمت بھی بہت کم مقدار کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ بطور علاج آپ کوہ سولی پر گئے ہوئے تھے، یہ مہینہ کی قسط میں نے بذریعہ منی آرڈر دیوبند سے بھیجی اس کے جواب میں والانامہ صادر ہوا جس کے یہ کچھ الفاظ یاد ہیں:

"آپ کا مرسلہ عطیہ احب الاشیاء و ابغضہا وصول ہوا، روز روز کے احسانات کا شکریہ کہاں تک بس دعا کرتا ہوں اور آپ سے بھی حیاً و میتاً دعا کا امیدوار ہوں"

دو سطر کا خط ہے مگر ذرا دیکھئے اس میں سموئے ہوئے مضامین ایک قرض کو قسطوں میں وصول کرنے کا جو احسان مجھ پہ فرمایا تھا اس کو میرا احسان قرار دیتے ہیں، اس کا نام تحفہ رکھتے ہیں، اس کی ساتھ مال دنیا کی حقیقت اس عربی جملہ میں کیسی واضح فرمائی کہ شاید اس سے زیادہ مقصود نہیں کیا جاسکتی کہ مال ایسی چیز ہے کہ ایک طرف اس کی برابر کوئی چیز محبوب نہیں کیونکہ وہ ساری محبوب چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے، دوسری طرف وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی برابر دنیا کی کوئی چیز مبغوض نہیں ہو سکتی کہ باپ کو بیٹے سے، بیٹے کو باپ سے، شوہر کو بیوی سے، بیوی کو شوہر سے لڑا دیتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

آخری جملہ میں ہر وقت موت کے استحضار کو واضح کرتے ہوئے دعا کی ترغیب فرمائی۔ فللہ درہٗ و علیہ اجرہٗ

بندہ محمد شفیع ۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

ڈاکٹر معروف الدوالبی سے ایک ملاقات

تحریر: محمد تقی عثمانی

○ عالم اسلام کا اتحاد کیسے ہو؟
○ مسلمانوں کے وسائل کیوں بیکار ہو گئے؟
○ کیا تجدد کی فکر صحت مند ہے؟
○ اسلام میں سنت کو کیا مقام حاصل ہے؟
○ کیا اسلام کے فوجداری قوانین سخت ہیں؟
○ کیا رسم و رواج اسلامی قانون کا ماخذ ہے؟
○ اسلامی ثقافت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

ڈاکٹر معروف الدوالبی صاحب جس زمانے میں شام کے وزیر اعظم تھے اُس وقت تو ہر معمولی واقفیت کا آدمی بھی انہیں جانتا تھا، مگر ایسے خوش قسمت بہت کم ہوتے ہیں جنھیں اقتدار کی مسند سے اترنے کے بعد بھی دنیا یاد رکھتی ہو، ڈاکٹر دوالبی صاحب بھی زمانے کی اس عادت سے مستثنیٰ نہیں رہے، عوام نے تو انہیں یکسر بھلا دیا لیکن جن لوگوں کو عالم اسلام کی علمی اور سیاسی سرگرمیوں سے کسی درجہ میں شغف ہے اُن کے لئے ڈاکٹر صاحب کا نام آج بھی نیا نہیں ہے، ان کی بہت سی تصانیف نے علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کیا ہے، وہ ان چند گنے چنے لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے بیک وقت فقہ اسلامی، موجودہ مغربی قوانین اور قانونِ روما کا نہ صرف اچھا خاصا مطالعہ کیا ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک پر کتابیں لکھی ہیں۔

دو مرتبہ وزیر اعظم رہنے کے علاوہ ڈاکٹر صاحب شام کے بہت سے معزز مناصب پر فائز رہے، مگر جب وہاں بعث پارٹی برسر اقتدار آئی جس کا نعرہ یہ تھا کہ:-

نؤمن بالبعث ربًّا لا نظیر لہ ، وبالعروبۃ دینًا لا مثیل لھا

(ہم بعث پارٹی کو اپنا پروردگار سمجھتے ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں، اور عرب قومیت کو اپنا دین جس کی کوئی مثال نہیں)

تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد وہاں ان کے لئے کیا مقام ہو سکتا تھا؟ اسلام پسندی کے جرم میں انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔

شام کے جو لوگ اس "ناقابلِ معافی جرم" کے مرتکب ہوتے ہیں، اگر وہ قتل اور قید بامشقت جیسی سزاؤں سے کسی طرح بچ جائیں تو ان کے لئے آسان ترین راستہ جلا وطنی ہے، بہت سے لوگ اسی وجہ سے مراکش چلے گئے، اور بہت سوں نے سعودی عرب میں پناہ لی، ڈاکٹر دوالبی مؤخر الذکر گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور سعودی عرب کے شاہ فیصل نے ان کے سیاسی اور علمی مقام کے پیش نظر انہیں اپنا مشیر مقرر کیا ہے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کا نام تو بار بار سُنا تھا، لیکن ان سے ملنے کا اشتیاق پہلی بار اُس وقت پیدا ہوا جب اصولِ فقہ پر ان کی مشہور کتاب "المدخل إلی علم أصول الفقہ" نظر سے گذری، کتاب کے مباحث کو تو پورا پڑھنے کا موقعہ نہ مل سکا، لیکن اس کی ترتیب کافی پسند آئی، اور خیال ہوا کہ اصولِ فقہ کے ابتدائی طلباء کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، اس کے بعد بھی مختلف عربی رسائل میں ان کی

تحریریں نظر سے گذرتی رہیں۔

دو ماہ پہلے جب یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب مؤتمر عالم اسلامی کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی آئے ہوئے ہیں تو ملاقات کی دیرینہ خواہش پھر بیدار ہوئی۔

اسی عرصے میں والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے مؤتمر کے تمام ارکان کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو بھی دارالعلوم میں مدعو کیا، عصر سے لے کر مغرب تک اُن کے ساتھ دلچسپ نشست رہی، مغرب کے بعد جب یہ حضرات رخصت ہونے لگے تو میں نے ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچ کر "البلاغ" کا تعارف کرایا، اور ساتھ ہی اس کے لئے ایک انٹرویو کی فرمائش کر دی، ڈاکٹر صاحب مسکرائے، اور فرمایا:-

"مفتیٔ اعظم فلسطین کے انٹرویو کے بعد بھی آپ کو میرے انٹرویو کی خواہش ہے؟"

میں نے کہا:- "میں آپ سے کچھ اور سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو ایسا کیجئے" ڈاکٹر صاحب نے سوچ کر کہا" آپ آئندہ ہفتے کو مجھ سے ٹیلی فون پر کوئی وقت پوچھ لیجئے، اس سے پہلے کے تمام پروگرام بڑے غیر یقینی ہیں۔"

ہفتے کے دن صبح سویرے میں نے فون کیا، اور فرمائش یاد دلائی، دوسری طرف سے ڈاکٹر صاحب کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی:

"ہاں! آج آپ کسی وقت بھی آجائیے، مجھے فرصت ہے۔"

"گیارہ بجے پہنچ جاؤں؟" میں نے پوچھا،

"نعم، اھلاً وّسہلاً!" ڈاکٹر صاحب نے کہا، اور میں نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

پابندیٔ وقت میں بہت کوتاہ ہونے کے باوجود میں اس روز اتفاق سے کچھ پہلے ہی ہوٹل جیبس پہنچ گیا۔ نہ جانے کیوں کچھ عرصے سے اس ہوٹل کی طرف "رجعت پسندوں" کا رجوع بہت بڑھتا جا رہا ہے، اسلامی ممالک کی علمی و دینی شخصیتیں علماء اور قرّاء یہیں آکر ٹھہرنے لگے ہیں، "رجعت پسندی" کے جرم میں ماخوذ "اہلِ زنداں" کو استقبالیے بھی یہیں دیئے جاتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس "خشک" اور "رجعت پسند" مگر صاف ستھرے ہوٹل نے "شراب" جیسی "مہذّب" چیز کو دیس نکالا دے رکھا ہے، اور اس کے تفریحی ہال (Recreation Hall) میں دعوتوں کے سوا کچھ "اور" نہیں ہوتا، حد تو یہ ہے کہ مہمان نوازی کے تمام فرائض صرف مرد انجام دیتے ہیں، ورنہ اس "انٹرکانٹی نینٹل" زمانے میں عورت کے بغیر بھی بھلا کوئی میزبانی ہوتی ہے؟ مرد تو صرف عورتوں کی میزبانی کے لئے ہوا کرتے ہیں۔

بہرکیف! ڈاکٹر معروف دوالیبی کافی حد تک "رجعت پسند" ہونے کی وجہ سے اسی ہوٹل کی چوتھی منزل پر مقیم تھے، میں لفٹ کے دروازے پر پہنچا تو پہلے سے ایک صاحب لفٹ کے انتظار میں کھڑے تھے، مجھے اپنی گھڑی پر کچھ شبہ ہوا تو میں نے ان سے پوچھا:-

"جناب! آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟"

"کوارٹر ٹو الیون" انہوں نے خالص انگریزی میں جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے فرمایا، اور میری طرف کچھ اس طرح دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں: "تمہیں پاکستان میں اردو بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

اتنے میں لفٹ آگئی، اور میں ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا، ڈاکٹر صاحب ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی کتاب "القادیانیۃ والاسلام" کا مطالعہ کر رہے تھے، سامنے میز پر اشتراکیت سے متعلق چند کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں، انہوں نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرے سلام کا جواب دیا، اور فرمانے لگے:-

"میں آپ کا انتظار کر ہی رہا تھا، آپ بہت اچھے وقت آگئے۔"

پھر انہوں نے دو تین مرتبہ اَھلاً وَّ سَھلاً کہا، کئی بار خیریت پوچھی، مگر میری توقع کے برخلاف یہ رسمی گفتگو کا سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا، عام طور سے عرب حضرات کا معمول یہ ہے کہ جب تک وہ کم از کم دس بارہ مرتبہ اَھلاً و سہلاً اور کیف حالک؟ کا تکرار نہ کر لیں، انہیں اطمینان نہیں ہوتا، جامعہ اسلامیہ

مدینہ طیبہ کے ایک استاذ کو تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک مرتبہ کیف حالک کہہ کر مخاطب کا جواب سُننے بغیر ہی دوسری بار کیف حالک کہہ ڈالتے تھے، بعض عربوں کا تو تکیۂ کلام ہی یہ جملہ بن جاتا ہے، اور وہ آپس میں ملنے کے بعد ایک ہی سانس میں دو دو تین تین مرتبہ کیف حالک کہتے رہتے ہیں، ——— لیکن ڈاکٹر صاحب کو میں نے دوسرے عرب حضرات سے بہت مختلف پایا، ان میں جذباتیت اور عجلت پسندی نام کو نظر نہیں آئی جو آجکل عام عرب حضرات کا خاصّہ لازمہ بن گیا ہے، دراز قامت، بھرا ہوا جسم، بڑی بڑی آنکھیں، بلند پیشانی اور اُس پر ہمیشہ اُبھری ہوئی متفکرانہ سلوٹیں، دھیما اور ٹھہرا ہوا لہجہ، چہرہ سنجیدگی متانت اور وقار کی تصویر اور اندازِ گفتگو سُلجھا ہوا۔ بقول علامہ زاہد الکوثری مصری رحمۃ اللہ علیہ کے، کافی عرصے سے علمِ دین کا مرکز عرب ممالک سے منتقل ہو کر ہندوستان بن گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ دینی شعائر کی جو غیرت وحمیّت اور اسلامی اصولوں کی جو پابندی ہندوستانی علماء میں پائی جاتی ہے اُس کی مثال دوسرے اسلامی ممالک میں خال خال ہی ہے، ورنہ اچھے خاصے پڑھے لکھے علماء کی اکثریت مغربیّت کے سیلاب میں کافی بہہ چکی ہے۔ مغربی طرزِ معاشرت وہاں اس بری طرح چھا چُکا ہے کہ ہندوستانی نگاہیں اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں، علمِ دین کی جو خاصیت تواضع انکسار اور فکری گہرائی کی صورت میں پاک و ہند کے علماء میں پائی جاتی ہے، وہ بھی دوسرے ممالک میں رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے سب کچھ ہو کر کچھ نہ ہونے کی البیلی ادا تو بس اپنے انہی بوریہ نشین علماء میں نظر آئی۔ باہر کے بہت سے علماء سے ملاقات کا اتفاق ہوا، وسعتِ مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کے بڑے بڑے شناور بھی دیکھے، مگر یہ محبوب ادائیں ہندوستان سے باہر کم ہی دکھائی دیں ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم وجمالِ ماہے
چہ کنم کہ چشمِ خوش بیں نکند بکس نگاہے

اس لئے ڈاکٹر صاحب کے طرزِ معاشرت کو دیکھ کر بھی کوئی تعجب نہیں ہوا، وہاں کی عام روش کے مطابق وہ بھی سر سے پاؤں تک مغربی لباس میں ملبوس تھے، اُن کے طرزِ بود و باش میں بھی مغربیت صاف طور پر جھلکتی تھی، ہاں ٹھوڑی پر ایک مختصر سی مگر خوبصورت داڑھی "رجعت پسندی" کی آخری نشانی کے طور پر موجود تھی۔

بہر کیف! گفتگو برسرِ مطلب آئی تو میں نے کہا:۔

"ڈاکٹر صاحب! پہلی بات یہ پوچھنی تھی کہ آجکل اتحادِ عالمِ اسلامی کا نعرہ کافی اہمیت اختیار کر چکا ہے، آپ کے خیال میں اس اتحاد سے کیا مراد ہے؟"

"اصل بات یہ ہے" ڈاکٹر صاحب نے رُک رُک کر بولنا شروع کیا۔ "کہ میرے نزدیک اسلامی وحدت کے قیام کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز فکری اور نظریاتی وحدت ہے، ہمیشہ یاد رکھئے کہ انسان کا ذہن اور اس کے افکار و نظریات اس کی ساری عملی زندگی کی بنیاد ہوتے ہیں، اور پوری عملی زندگی انہی افکار کا عکس اور آئینہ، انسان وہی کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے وہ صحیح سمجھتا ہو، اس لئے اگر مسلمان اپنے آپ کو متحد کرنا چاہتے ہیں تو انہیں پہلے فکری اور نظریاتی اتحاد کی طرف قدم بڑھانا چاہئے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے دل اور دماغ ایک ہو جائیں تو اتحادِ عالمِ اسلامی کے تمام مقاصد خود بخود حاصل ہو جائیں گے، خواہ سیاسی حیثیت سے ان کی سلطنتیں جدا جدا ہوں، اور اگر دل و دماغ ایک نہ ہوں تو چاہے آپ پورے عالمِ اسلام کو ایک مملکت کی لڑی میں پرو دیجئے، اتحاد کے اصل مقاصد ہرگز حاصل نہیں ہوں گے، اس وقت جو مسلمانوں کے درمیان افتراق اور انتشار پایا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز مختلف ہے، زندگی کے بہت سے اہم مسائل میں ان کے درمیان نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک شخص کا نصب العین کچھ ہے اور دوسرا کسی اور مقصد کو اپنائے ہوئے ہے، بس! میرے نزدیک اگر یہ صورتِ حال ختم ہو جائے اور مسلمان نظریاتی طور پر متحد ہو جائیں تو اتحادِ اسلامی کے بیشتر مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔"

"مگر ڈاکٹر صاحب! یہ نظریاتی اتحاد کیسے حاصل ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بات کچھ زیادہ مشکل نہیں" ڈاکٹر صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے فرمایا: "قرآن و سنّت ہمارے لئے نظریاتی اتحاد کا بہترین ذریعہ ہیں، اگر مسلمان صحیح معنی میں مسلمان بن کر قرآن و سنّت کی بنیادی تعلیمات ہی پر متفق ہو جائیں تو یہ فکری اتحاد حاصل ہو سکتا ہے، "اسلام" اور "ایمان" کا مطلب متفقہ طور پر یہ ہے کہ:-

ھُوَ الاعتقاد بکلّ ما یعتبر معلوما

من الدّین بالضّرورۃ

"اسلام نام ہے ہر اُس بات پر اعتقاد رکھنے

کا جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔"

لہٰذا اگر تمام مسلمان اُن تمام باتوں پر اپنے عقیدے کو راسخ کر لیں جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوئی ہیں تو ان کے فکری اتحاد کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ یہ باتیں جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوئی ہیں، دو قسم کی ہو سکتی ہیں، ایک تو عقائد و عبادات سے متعلق دین کی بنیادی تعلیمات، مثلاً توحید، رسالت، آخرت، اور کتاب و سنّت پر ایمان، ارکانِ خمسہ (نماز روزہ وغیرہ) کو فرض سمجھنا اور مسلمانوں کی باہمی اخوّت وغیرہ، دوسرے وہ باتیں جو روزمرّہ کی زندگی اور معاشرت کے اصولوں پر مشتمل ہیں، مثلاً اسلام کا رہبانیت سے ممتاز ہونا، حقوق العباد کی ادائیگی وغیرہ۔

یہ تمام باتیں دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، اگر تمام مسلمان ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان پر اپنے عقیدے کو راسخ اور عمل کو پختہ کر لیں تو فکری اتحاد کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، اور اگر انہی چیزوں میں فکری یا عملی اختلاف پیدا ہو جائے تو اتحاد کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ عقائد کی تشریح و تعبیر میں کوئی الگ راہ اختیار کرلے گا تو خواہ اس کی یہ علیحدگی غلط فہمی کی بنا پر ہوئی ہو، اس سے لازماً اسلامی اتحاد میں خلل واقع ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی گروہ اسلام کے اصولِ زندگی کو سمجھنے میں غلطی کرے تو اس سے بھی اسلامی وحدت کے رشتے کمزور پڑ جائینگے مثلاً کوئی فریق اشتراکیت کو اسلام پر چسپاں کرنا شروع کر دے یا کوئی دوسرا گروہ اسلام کو سرمایہ داری کا حامی قرار دینے لگے تو ظاہر ہے کہ اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اسلام اپنا ایک الگ نظام زندگی رکھتا ہے، جو اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں سے بہتر ہے۔"

ڈاکٹر صاحب یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے کہا۔ "لیکن مشکل تو یہی ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ان بنیادی چیزوں میں بھی متفق نہیں ہو پاتے، ہر شخص اپنے نظریات کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ اسلام کی صحیح تعبیر یہی ہے، اور دوسرا فریق اسلام کو صحیح نہیں سمجھتا، ایسی صورت میں تو فکری اتحاد سے بالکل مایوسی ہونے لگتی ہے۔"

"نہیں نہیں!" ڈاکٹر صاحب نے کہا "مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، اسلام کے بنیادی امور میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ کم علمی کی بنا پر ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کا صحیح علم رکھنے والوں کے درمیان ان امور میں کوئی اختلاف نہیں، اب یہ اہلِ علم کا فریضہ ہے کہ وہ اس کم علمی کو دور کرنے کی کوشش کریں، اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اخلاص اور ذہانت کے ساتھ یہ کام کرینگے تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"آپ کے نزدیک اہلِ علم کی ان کوششوں کا طریق کار کیا ہونا چاہیئے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں، یہ آپ نے بہت اہم بات پوچھی ہے" ڈاکٹر صاحب نے کہا:- "ان کوششوں میں بڑی حکمت اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جو اسلام کے بنیادی امور ہی میں اختلاف کرنے لگتے ہیں، ان کے اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ عصرِ حاضر کی مشکلات اسی وقت حل ہو سکتی ہیں جب اشتراکیت یا سرمایہ داری جیسے نظام ہائے حیات کو اپنایا جائے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان علماء ان کی اس غلط فہمی کو دور کریں، مختلف اور مؤثر طریقوں

سے اُن پر یہ بات ثابت کر دیں کہ مسلمانوں کو بیسویں صدی کی تمدنی مشکلات حل کرنے کے لئے بھی کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، اسلام نے ہمیں زندگی کے جو اصول بتلائے ہیں وہ آج کی تمام دشواریوں کا بھی واحد حل ہیں، سوءِ اتفاق سے بہت سے لوگوں کے ذہن پر یہ بات خواہ مخواہ مسلّط کر دی گئی ہے کہ اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک ایسا مذہب ہے جسے زندگی کے جیتے جاگتے مسائل سے کوئی سروکار نہیں، ہمیں چاہیئے کہ اس بے سروپا مفروضے کو غلط ثابت کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے اسلام کی وہ تعلیمات زیادہ سے زیادہ پیش کریں جن میں ہماری زندگی کے ہر شعبے کے لئے بہترین ہدایات موجود ہیں، اور انہیں سمجھائیں کہ اسلام کی دعوت زندگی کی دعوت ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلّٰهِ
وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیكُمْ"

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی
دعوت کو قبول کرو، جبکہ وہ تمہیں ایک ایسے
دین کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی عطا کرتا ہے"

میری رائے میں اہلِ علم اپنا پورا زور اس حقیقت کو عام کرنے پر صرف کر دیں تو یہ غلط فہمی بڑی حد تک دور ہو سکتی ہے، اور اس طرح بنیادی فکری اختلافات مٹ سکتے ہیں"

ابھی ڈاکٹر صاحب اتنا کہہ کر خاموش ہی ہوئے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلنے سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا، نظر اٹھا کر دیکھا تو مفتیٔ اعظم فلسطین، اخوان المسلمین کے سابق سکریٹری جنرل استاذ عبدالحکیم العابدین، اور مؤتمر میں انڈونیشیا کے مندوب کمرے میں داخل ہو رہے تھے، ان کے آجانے کے بعد اس گفتگو کو موقوف ہونا پڑا، اور تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر دوالبی صاحب کا کمرہ کشتِ زعفران بن گیا، ڈاکٹر صاحب نے جب دیکھا کہ یہ مجلس طول پکڑ سکتی ہے تو انھوں نے مجھ سے پوچھا:-

"میں باتوں باتوں میں ایک بات پوچھنا بھول گیا، یہ بتلایئے کہ آپ کیا پئیں گے؟"

"میں جمہور کی تقلید کرنا پسند کروں گا" میں نے حاضرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب اس کے جواب میں مسکرا کر مفتی صاحب (مفتیٔ اعظم فلسطین) کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ استاذ عبدالحکیم عابدین بیچ میں بول اٹھے:-

"اگر آپ حضرات اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دیں تو میں آپ کو ایک نئی چیز پلاؤں؟"

"وہ کیا؟" ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔

"تُلسی کی چائے" استاذ عبدالحکیم یہ کہہ کر میری طرف دیکھنے لگے، مجھے ان کی زبان سے ایک ٹھیٹھ ہندی زبان کا لفظ سننے کی بالکل توقع نہ تھی، اس لئے میں نے ان سے پوچھا:-

"تُلسی کیا چیز؟"

"آپ تُلسی نہیں جانتے؟ ہندوؤں کا معبود" وہ یہ کہہ کر مسکرانے لگے، اور پھر ڈاکٹر صاحب وغیرہ سے اس کی تشریح کرتے ہوئے بولے:- "یہ ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے، ہندو اس کی عبادت کرتے ہیں، ....

..... میں نے کراچی ہی میں پہلی بار ایک دعوت میں اس کی بنی ہوئی چائے پی تھی، مجھے تو بہت پسند آئی،

استاذ عابدین کی تجویز پر سب متفق ہو گئے تو انھوں نے اپنی نگرانی میں یہ چائے بنوائی، واقعۃً چائے کا نعم البدل تلاش کرنے کی کوششوں میں اسے کامیاب ترین کوشش کہا جا سکتا ہے، جب وہ سامنے آگئی تو ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے پوچھا:-

"کیا واقعی ہندو مذہب میں اس درخت کی عبادت کی جاتی ہے؟"

"جی ہاں!" میں نے کہا "یہ اُن بے شمار چیزوں میں سے ایک ہے جن کی ہندو عبادت کرتے ہیں"۔

بات ہندوؤں سے ہندوستان، ہندوستان سے برما اور برما سے انڈونیشیا تک جا نکلی، اور تقریباً آدھے گھنٹے کی

پر لطف نشست کے بعد یہ حضرات اٹھ کر چلے گئے۔

اب پھر ڈاکٹر صاحب دروازہ بند کر کے میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے پوچھا:۔

"ڈاکٹر صاحب! ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اسلامی ممالک قدرتی وسائل اور انسانی صلاحیتوں سے خوب مالا مال ہیں، لیکن یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ ان قدرتی نعمتوں کے باوجود وہ ذہنی اور عملی ہر حیثیت سے غیروں کے غلام بنے ہوئے ہیں، اور ان کے قدرتی وسائل ان کے حق میں بیکار ہو کر رہ گئے ہیں، آپ کی نظر میں اس کی وجہ کیا ہے؟"

"وجہ وہی ہے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "جو میں نے آپ کے پہلے سوال کے جواب میں بتلائی، ان کا فکری رُخ صحیح نہیں ہے اگر وہ اسلام کی صحیح تعلیمات پر متفق ہو جائیں تو ان کی یہ ساری کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں، ظاہر ہے کہ جب وہ اسلام کو پورے طور پر اپنائیں گے تو اسلام انہیں مجبور کرے گا کہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی خوش حالی کے لئے اپنے تمام قدرتی وسائل کو بروئے کار لا کر مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی نگہداشت کریں، اور اس راستے کی ہر مشکل کو ہمت، جذبے اور امنگ کے ساتھ دور کر کے غیروں کی غلامی کا ہر قلادہ اتار پھینکیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی مادّی ترقی کا راستہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اسلام کو پورے طور سے اپنی زندگی میں اپنا لیں۔"

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے عرض کیا:۔

"اب مجھے کچھ باتیں اسلامی قانون سازی کے بارے میں پوچھنی ہیں"۔

"ہاں، ضرور!" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

میں نے پوچھا:۔ "عالم اسلام کے تقریباً ہر ملک میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جسے عام طور سے "اہل تجدّد" کا نام دیا جاتا ہے اس کا موقف یہ ہے کہ دنیا کی اکثر ترقی یافتہ اقوام نے موجودہ دور میں مغربی افکار اور مغربی تہذیب و معاشرت کو اپنا کر مادّی ترقی کی ہے، اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں بھی اسی تہذیب کو اپنانا پڑے گا، ان کی ترقی کی راہ میں ان کے نزدیک سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ وہ اسلام کی قدیم تعبیرات کو سینے سے لگائے چلے آرہے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک عالم اسلام کی بہبود کا راستہ صرف یہ ہے کہ وہ قانون سازی کے وقت قرآن و سنت کی از سر نو ایسی تعبیر کریں جو موجودہ مغربی افکار کے بالکل مطابق ہو، اس نقطۂ نظر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

میرے اس سوال پر ڈاکٹر صاحب کی پیشانی کی سلوٹیں کچھ اور گہری ہو گئیں، انہوں نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا:۔

"دیکھئے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اسلام اپنا ایک الگ نظام زندگی رکھتا ہے جس کے اصول و قواعد معیّن اور مدوّن ہیں، اسلام کے یہ اصول و قواعد مشرق اور مغرب کی تفریق سے بالاتر ہیں، وہ صرف مشرق یا صرف مغرب کا مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک عالمگیر دین ہے، نہ مغرب کی ہر چیز اس کی نگاہ میں بُری ہے اور نہ ہر چیز قابلِ تقلید، اصل یہ ہے کہ اس نے اپنے الگ اصول و قواعد وضع کئے ہیں۔ اور یہ وہی اصول ہیں جو اصول فقہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ انسان کا جو کام ان اصولوں پر پورا اترتا ہو، وہ صحیح ہے، خواہ مشرق میں کیا جائے یا مغرب میں، اور جس کام سے یہ اصول مجروح ہونے لگیں وہ مذموم اور غلط ہے، خواہ اسے اہل مشرق انجام دیں یا اہلِ مغرب، علّامہ ابن قیمؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ "جہاں اسلامی اصول پائے جائیں، اللہ کی مرضی بھی وہیں ہوتی ہے"۔ لہٰذا ہمیں اپنی قانون سازی میں اصل اسلامی قواعد کو بنانا ہے، پھر اگر مغرب کا کوئی کام ان قواعد پر پورا اترتا ہو، تو ہمیں اس کے اختیار کرنے میں کوئی دریغ نہیں ہوگا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقعہ پر خندق کھودنے میں ایرانی مجوسیوں کے طریق کار کو اختیار فرمایا، اور یہ چیز بھی درحقیقت اسلام ہی کے اصولوں پر عمل ہے، لیکن یہ نقطۂ نظر کسی طرح درست نہیں ہے کہ ہر معاملے میں مغرب کو فلاح و بہبود کا معیار قرار دے کر اس کے نظام زندگی کو اس طرح اپنایا جائے کہ اس سے اسلام کے معیّن اصول و قواعد مجروح ہونے لگیں۔

"لہٰذا اس معاملے میں میرے نزدیک خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور اس کے اصول و قواعد کو اصل قرار دیتے ہوئے مغرب کے طور و طریق کو اس کے تابع تو بنایا جا سکتا ہے، لیکن مغرب کو اصل قرار دے کر اسلام کو اس کے تابع بنانا کسی طرح درست نہیں، قانون سازی کے وقت پہلے یہ دیکھئے کہ اصل اسلامی احکام کیا ہیں؟ پھر اگر مغرب کا کوئی عمل اس کے مطابق ہو تو اسے شوق سے اختیار کر لیجئے، ایسا نہ کیجئے کہ پہلے مغرب کے نظریات کو بہر حال بہتر فرض کر لیا جائے، اور اگر اسلام ان کے خلاف نظر آتا ہو تو اس میں ترمیم و تغیر شروع کر دی جائے"۔

ڈاکٹر صاحب یہ باتیں فرما رہے تھے، اور میرے ذہن میں قرآنِ کریم کا یہ ارشاد تازہ ہو رہا تھا کہ :-

"وجعلناکم امۃً وَسَطاً"

اور ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے

اس سوال سے فراغت کے بعد میں نے چوتھا سوال کیا :-

"ڈاکٹر صاحب! اسلام کی قانون سازی میں سنت کا کیا مقام ہے؟"

وہ شاید اس سوال کا منشاء پوری طرح نہیں سمجھ پائے، ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ :"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" اس لئے میں نے سوال کا منشاء واضح کر دیا، اس پر وہ مسکرائے، اور فرمانے لگے :-

"میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ "سنّتِ نبویہؐ" اسلامی قانون کے لئے ایک جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے، اُسے کسی حال میں شریعت سے جُدا نہیں کیا جا سکتا، خود قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات سے اس کی یہ حیثیت ثابت ہے، ارشاد ہے :-

أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو

نیز ارشاد ہے :-

"ما آتاکم الرَّسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا"

رسول جو کچھ تمہیں دیدیں اسے لے لو، اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ"

اس کے علاوہ سنّت کے بغیر قرآن کو صحیح سمجھا ہی نہیں جا سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"

اور ہم نے (اے نبی) تم پر قرآن اس لئے اتارا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں"۔

اور نجانے کتنی آیتوں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے"۔

اس کے بعد میں نے پانچواں سوال یہ کیا :-

"ڈاکٹر صاحب! اہل مغرب ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام کا قانونِ فوجداری بہت سخت ہے، ایک مجرم کو زندگی سے یا کسی عضو سے محروم کر دینے کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا زیادہ مناسب ہے، کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟"

"جو لوگ یہ بات کہتے ہیں، انہوں نے شاید اسلام کے قانونِ فوجداری کو پڑھا نہیں ہے"۔ ڈاکٹر صاحب نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام فوجداری دنیا بھر کے تمام قوانین میں سب سے زیادہ لچک دار ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام نے چند گنے چنے جرائم کے سوا تمام جرائم کی سزا "تعزیر" کی شکل میں مقرر کی ہے، اور "تعزیر" کا طریقہ معیّن کرنے کا کام تمام تر قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، وہ ہر واقعے اور ہر مقدمے کی رعایت سے تعزیر کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہے، اختیار کر سکتا ہے یہاں تک کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کسی وقت مصلحت دیکھے تو تعزیری مجرم کو محض زجر و توبیخ، بلکہ صرف ایک کڑی نگاہ ڈال کر بھی چھوڑ سکتا ہے، اور اگر مجرم کو ناقابلِ اصلاح سمجھے تو اس کی گردن بھی اڑا سکتا ہے[1]، بیشتر جرائم کی سزا میں اسلام کا طرزِ عمل یہی ہے۔

تعزیر کے بعد "حدود" کا نمبر آتا ہے، یعنی وہ سزائیں جو اسلام نے مقرر کر دی ہیں، یہ کل پانچ جرائم کی سزا میں

[1] "تعزیر" میں موت کی سزا، اکثر فقہاء کے نزدیک نہیں دی جا سکتی، ہاں موت سے کم کی سزائیں تعزیر کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں، مجھے ڈاکٹر صاحب کے اس قول کا ماخذ معلوم نہیں ہو سکا، تقی

عائد ہوتی ہیں، یہ سزائیں بلاشبہ کافی سخت اور عبرتناک ہیں، لیکن اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ "حدود" جاری کرنے کے لئے جو شرائط اسلام نے مقرر کی ہیں، وہ ان سزاؤں سے زیادہ سخت ہیں، معمولی معمولی شبہات کی بنیاد پر "حدود" کو دفع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک زنا ہی کو لے لیجئے، لوگ یہ تو دیکھتے ہیں کہ سنگساری کی سزا بہت سخت ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ سزا اس وقت جاری ہوتی ہے جب ایک شادی شدہ انسان کے زنا کرنے پر چار نہایت قابل اعتماد گواہ ایسے کھلے لفظوں میں گواہی دیں جن کے بعد کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہ رہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اتنی کڑی شرط ہے کہ اس کا پورا ہونا شاذونادر ہی ہو سکتا ہے، اور جہاں یہ شرطیں پوری ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم نے زنا جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب بیچ چوراہے کے کھلم کھلا کیا تھا، اور جو شخص انسانیت سے اس قدر کورا ہو، اس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی، میں سمجھتا ہوں کہ کوئی کڑی سے کڑی سزا بھی اس کے لئے سخت نہیں ہے، اس کی مثال اُس گلے اور سڑے ہوئے عضو کی سی ہے جسے باقی رکھنے کا مطلب پورے جسم کو خراب کرنا ہے، لہٰذا اگر کسی سڑے ہوئے عضو کا آپریشن دانشمندی کا عین تقاضا ہے تو ایسے شخص کو موت کی سزا دینا اُس سے زیادہ حکمت پر مبنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اس معاملے میں بھی اس قدر حکیمانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے کہ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی ایک طرف سزائیں اتنی سخت اور عبرتناک رکھی ہیں کہ ان کا خوف انسان کو پوری طرح جرائم سے باز رکھنے میں مدد دیتا ہے، مگر دوسری طرف ان سزاؤں کے نفاذ میں قدم قدم پر کڑی شرطوں کی ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ ان کی موجودگی میں یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، اور جس وقت جاری ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ مجرم کے وجود سے زمین کو پاک کر دیں، بلکہ ایک عرصۂ دراز تک کے لئے دلوں میں ...... ان کی ہیبت بیٹھ جائے کہ جرم کا تصور ہی انسان کے رونگٹے کھڑے کر دے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ فوجداری قوانین کا اس سے بہتر، معقول اور حکیمانہ نظام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو ان کے چہرے پر اطمینان و یقین کے آثار نظر آ رہے تھے، ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ میں نے دنیا کے تمام مشہور قوانین کا مطالعہ کیا ہے، مگر مجھے پورا اعتماد ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اسلامی قانون کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔

میں نے ایک اور سوال کیا:۔

"جس طرح مغربی قوانین میں رسم و رواج (Custom) کو ماخذِ قانون قرار دیا گیا ہے، کیا اسلامی قانون میں بھی اس طرح کی کوئی چیز ماخذِ قانون بن سکتی ہے؟"

"بعینہٖ اس طرح تو نہیں" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، "البتہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ اسلامی فقہ میں رسم و رواج کو خاصی اہمیت دی گئی ہے اور یہ وہی چیز ہے جسے فقہاء "عُرف" یا "تعامل" کے نام سے یاد کرتے ہیں، "عرف" اسلامی قانون کے چار سرچشموں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کے علاوہ کوئی مستقل ماخذ تو نہیں ہے، لیکن اسے ایک ضمنی ماخذ کہا جا سکتا ہے، اور یہاں بھی میں اپنی وہی بات پھر دہراؤں گا کہ اسلام میں بنیادی اہمیت ان اصول و قواعد کو حاصل ہے جو قرآن، سنّت اور اجماع نے مقرر کر دیئے ہیں، اگر زمانے کا کوئی رواج ان اصولوں کے مطابق ہو اور اس میں کوئی مصلحت نظر آئے تو اسلام اُسے اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا، لیکن اگر زمانے کا کوئی چلن قرآن کریم، سنّت یا اجماع سے ٹکراتا ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔"

"ڈاکٹر صاحب! آجکل "اسلامی ثقافت" کی اصطلاح بہت مشہور ہو رہی ہے، میں یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اور کون کونسی چیزیں اسلامی ثقافت میں داخل ہیں؟"

"اسلامی ثقافت" ڈاکٹر صاحب نے سوچتے ہوئے کہا، "ایک اتنا وسیع لفظ ہے کہ اسے محدود اور متعین کرنا بہت مشکل ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ثقافت میں سب سے پہلی چیز حلال و حرام کا علم ہے، اور دوسری چیز ان باتوں کا علم ہے جو بحیثیت ایک بشر کے اس کے لئے مفید ہیں، پہلی قسم میں علم فقہ، علم حدیث، علم تفسیر اور علم عقائد آجاتے ہیں، اور دوسری قسم میں تمام وہ علوم داخل

ہو جاتے ہیں جو انسان کی دنیوی زندگی کے لئے ضروری ہیں، اور ان سے کوئی مشروع فائدہ حاصل ہوتا ہے، طب، انجنیئرنگ، حساب اور سائنس وغیرہ اسی ذیل میں آتے ہیں، اس کے علاوہ انسان کی وہ تمام تفریحی سرگرمیاں بھی اسلامی ثقافت میں داخل ہیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں، مثلاً نیزہ بازی، بغیر قمار کی گھوڑ دوڑ وغیرہ تو وہ چیزیں ہیں جن کی اسلام نے ترغیب دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مفید کھیل مسجد نبوی کے قریب نہ صرف خود دیکھے، بلکہ حضرت عائشہؓ کو دکھلائے، اس کے علاوہ وہ تفریحات جو ذہنی یا جسمانی تازگی کا موجب ہوں اور ان میں کوئی شرعی مفسدہ نہ ہو، انہیں بھی اسلام نے جائز قرار دیا ہے، بغیر جھوٹ کے مذاق اور خوش طبعی وہ ذہنی تفریح ہے جسے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا ہے، اسی طرح دوڑ کا مقابلہ جسمانی نشاط کا موجب ہے، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان ہنسی اور دل لگی کی باتیں بھی اسلام نے جائز بلکہ مستحسن قرار دی ہیں۔

البتہ اسلام کبھی کسی چیز کے صرف ایک پہلو کو نہیں دیکھتا اس لئے اس نے ساتھ ہی بعض ایسی تفریحات پر صریح پابندی بھی لگائی ہے جو لذت اندوزی کا ذریعہ تو ہیں، مگر ان میں روحانی، جسمانی، اخلاقی، معاشی یا معاشرتی خرابیوں کے جراثیم پائے جاتے ہیں، اور ان کے نقصانات ان کے منافع سے زیادہ ہیں، ایسی تفریحات اسلامی ثقافت میں ہرگز داخل نہیں ہیں۔"

میں نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے کہا: "بعض اسلامی ممالک میں رقص وغیرہ کو اسلامی ثقافت میں داخل کہا جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟"

"ہرگز نہیں!" ڈاکٹر صاحب نے کہا "اسلام کبھی یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ کوئی عورت ہیجان انگیز کیفیات کے ساتھ مردوں کے سامنے اپنے اعضاء کی نمائش کرے، اور معاشرے کی اخلاقی بربادی کا باعث بنے، یہ انہی "تفریحات" میں داخل ہے جنہیں قرآن وسنت نے صراحۃً ممنوع کہا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! آخر میں ایک بات اور پوچھنی ہے" میں نے کہا "اور وہ یہ کہ اسلامی شریعت نے مختلف احکام میں جو مقداریں معین کی ہیں، مثلاً رکعات نماز کی تعداد، زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ، ان کے بارے میں آجکل بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ زمانے کے بدل جانے سے ان میں بھی تبدیلی ہونی چاہیئے، اس نقطۂ نظر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"یہ خیال بالکل غلط ہے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "یہ تمام مقداریں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، اور اگر متواتر احکام کو بھی بدلنے کی کوشش کی گئی تو اسلام کا کونسا عقیدہ یا حکم سلامت رہ جائے گا؟"

ڈیڑھ بج چکا تھا، ہمیں گفتگو کرتے ہوئے ڈھائی گھنٹے گذر چکے تھے، ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر بھی تھکن کے آثار نمودار ہو رہے تھے، اتنے میں ایک صاحب نے آکر اطلاع دی کہ:۔

"ظہر کی نماز تیار ہے"۔

ہم اُٹھ کھڑے ہوئے، چلتے وقت میں نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرائے اور کہنے لگے:۔

آپ نے باتیں بہت اہم چھیڑ دی تھیں، میں اپنے آپ کو کسی لائق نہیں سمجھتا، لیکن اگر آپ کے قارئین میں سے کسی کو میرے جوابات سے کوئی فائدہ پہنچ گیا تو میں سمجھوں گا کہ یہ وقت بڑا کام آگیا"

میں الوداعی سلام اور مصافحہ کر کے روانہ ہو گیا، لیکن ابھی لفٹ تک نہیں پہنچا تھا کہ پیچھے سے ڈاکٹر صاحب کی آواز پھر سنائی دی:۔

"یا استاذ ______!"

میں واپس مڑا تو دیکھا کہ وہ پھر میری طرف آرہے ہیں، قریب پہنچ کر انھوں نے کہا:۔

"مجھے اعتماد ہے کہ آپ نے میرے نقطۂ نظر کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اس لئے آپ کو میری باتوں کا لفظی ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں، آپ مرکزی خیال میرا رکھتے ہوئے جس اسلوب کو واضح سمجھیں، اختیار کر لیں، میری طرف سے اجازت ہے"۔

"شکریہ!" میں نے عرض کیا "میں حتی الامکان آپ ہی کے اسلوبِ بیان کو اختیار کرنے کی کوشش کروں گا، اِلاّ یہ کہ اردو زبان کی تنگ دامنی مجھے مجبور کر دے"۔

"ہاں ایسا ہو سکے، تو بہت اچھا ہے ـــــ اپنے والد صاحب سے میرا سلام کہیئے گا" یہ کہہ کر انہوں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے!

متعلقہ صفحہ ۵۳

مفہوم قصیدۂ جہادِ فلسطین

بادِ صبا دوشیزۂ مصر کا پیغام لے کر آئی ہے۔
حیرت ہے کہ جس کا شیوہ جفا تھا، اب وہ مائل بہ کرم ہے۔
میں نے پوچھا کہ طویل بے رُخی کے بعد یہ التفات کیوں؟
کہنے لگی، میں نے تمہیں پکارا ہے کہ تم میرے صحن کو
دجّال کی سگ خُو قوم سے پاک کر دو۔
اُس قوم سے پاک کر دو جس پر پروردگار کی لعنت کا پشتارہ لدا ہوا ہے،
جو زمین پر ذلّت و خواری کی مہر لگائے اتری ہے۔
امریکہ بھی اُس گروہ کی مدد کو آگیا، جس پر رہتی دنیا تک لعنت برستی رہے گی۔
لیکن جو کسی ملعون کی پشت پناہی کرے، اس کی مدد ہی کیا؟
اُس کی مدد ایک نہ ایک دن الٹے پاؤں لوٹ جائے گی،
ہم خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، ہمیں کسی لاؤلشکر کا خوف نہیں۔
اگر ہم مؤمن ہوں تو خدا ہماری مدد کریگا، اور آخرت میں ہمارے لئے بہترین اجر ہوگا۔
اے توحید کے فرزندو! کمربستہ ہو جاؤ، دشمن تمہارے کاری وار کے انتظار میں ہے۔
اے قوم ہمت کر اور بیت المقدس کو غاصبوں سے چھین لے۔
آفرین ہو ان جانبازوں پر جو کفر کو عذاب دینے کے لئے آگے بڑھیں،
سرزمینِ عرب کے جوانو! ہم تم پر فدا ہیں، یہودی تم پر دائمی غلبہ نہیں پا سکتے۔
تم میدانِ کارزار میں اللہ کے سپاہی ہو۔
تم کچھاروں کے شیر ہو جو ڈرنے اور جی چھوڑنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔
اٹھو، اور ظلم کی تاریکی میں انصاف کے ستارے روشن کرو۔
یہودی نامراد ہیں، نامراد ہوں گے۔
اور جو دولت و مال کی ہوس میں ان کے ساتھ آئے گا، وہ بھی نامراد ہوگا۔
فلسطین ہمارا ہے ہمارا رہے گا،
درود و سلام ہو اس پر جو تمام مخلوقات کا سردار ہے!

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی
شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

جہاد فلسطین

ایک عربی قصیدہ جہادِ فلسطین بھیج رہا ہوں، یہ اسرائیل کی پہلی جنگ کے موقعہ پر لکھا تھا اور حفلۃ العلماء منعقدہ مئی ۴۸ء کے یوم فلسطین میں پڑھا گیا تھا مگر شائع نہیں کیا گیا، اب اس کی اشاعت کا وقت ہے۔ —— والدعاء ظفر احمد عثمانی

جاء البرید علی الھوا بکتاب ... من عندنا عمۃ القوام کعاب
نفسی و ما بیدی فدا مصریۃ ... من آل عثمان ذوی الاحساب
یا منیۃ العشاق کیف رثیت لی ... من بعد طول تبتل وعتاب
قالت دعوتک کی تطھر ساحتی ... من قوم دجال وجوہ کلاب
من معشر باء وا بلعنۃ ربھم ... فی العالمین مُدنّسی الاثواب
جاء وا وقد ضربت علیھم ذلۃ ... من عند ربّیَ سید الارباب
جاءت امیریکا لنصرۃ معشر ... لُعنوا الاٰخر ھذہ الاحقاب
من ینصر الملعون باء بلعنۃ ... وتردُّ نصرتہ علی الاعقاب
من یلعن اللہ فلن تجد والہ ... من ناصر یا معشر الاحزاب
نرجو الالٰہ ولا نخاف کتیبۃ ... سارت الی اخواننا الاعراب
یکفی الالٰہ المؤمنین قتالھم ... ویثیبنا فی الاجر خیر ثواب
جاءت یہود لکی تغالب ربھا ... فلیُغلبنّ مُغالب الغَلّاب
یا معشر الاسلام قوموا واضربوا ... اعداءکم ضربا بغیر حساب
یا قومنا قوموا الیھم وانزعوا ... بیت المُقَدّس من ید الخلّاب
طوبیٰ لقوم قُدّموا فتقدموا ... لنکال کل مکذب مرتاب
یا معشر العرب الکرام فدیتکم ... لا یغلبنکم الیھود بباب
انتم جنود اللہ فی یوم الوغیٰ ... انتم اُسُود فی صریمۃ غاب
یا قوم لا تھنوا ولا تخشوھمُ ... وامحوا ظلامھمُ بضوء شھاب
بُعدا وسُحقا للیھود ومن اتیٰ ... معْھم یرید غنائم الاسلاب
اللہ ینصرکم علی اعدائکم ... ویبیدھم حقا بشر عقاب
ھذی فلسطین لنا من غیر ما ... ریب عطاء ملیکنا الوھاب
ثم الصلوۃ علی النبی محمد ... خیر الوریٰ والاٰل والاصحاب

(قصیدہ کا مفہوم ص ۵۲ پر ملاحظہ فرمایئے)

وارداتِ سفرِ حجاز

(از حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب شوقی)

میں ہوں اور تیرا حرم ہے، تیری بزمِ ناز ہے
اور کچھ کچھ چشمِ تر بھی آشنائے راز ہے

عجز ہے، درماندگی ہے، اور جنونِ بندگی
تیرے بندوں کو اسی دیوانگی پر ناز ہے

ایک ہی جذبہ ہے سب کا ایک ہی سب کا لباس
لب پہ ہے لبیک سب کے ایک ہی آواز ہے

گھومتے ہیں، جھومتے ہیں، چومتے ہیں سنگِ در
کیا نرالا تیرے دیوانوں کا یہ انداز ہے

بندگی کی سرحدوں سے آملی دیوانگی
ایک کی ہے انتہا، اور ایک کا آغاز ہے

تیرے در سے بادشاہوں کو ملا کرتی ہے بھیک
تیری چوکھٹ پر گنہگاروں کا سر افراز ہے

ہے نگوں ساری میں یاں رازِ عروجِ بندگی
جتنا اس در پہ جھکا اُتنا ہی سر افراز ہے

بُت کدہ ان کی رضا سے کعبۃ اللہ بن گیا
درحقیقت یہ رسول اللہؐ کا اعجاز ہے

مدینے میں

شہرِ طیبہ کی محبت کا عجب اعجاز ہے
شوق میرا مجھ سے پہلے مائلِ پرواز ہے

جس کی نسبت کے سہارے آ گیا ہے مطمئن
اس کی نسبت کا شرف سب سے بڑا اعزاز ہے

دل مچلنے لگ گیا آثارِ طیبہ دیکھ کر
چھٹ رہی ہیں ظلمتیں اب صبح کا آغاز ہے

میری آنکھیں ہیں جمالِ گنبدِ خضرا کا طور
قلب میرا نغمۂ صلِّ علیٰ کا ساز ہے

ہر نگہ میں شانِ محبوبی نئی سے ہے نئی
گنبدِ خضرا کے جلووں کا عجب انداز ہے

کیا کہوں چشمِ کرم نے تیری کیا کچھ کر دیا
میرے درماں کی نہایت درد کا آغاز ہے

چاہتا تھا درد سے میرے کوئی آگہ نہ ہو
ہو گیا رسوائے عالم چشمِ تر غمّاز ہے

محمد تقی عثمانی

آپ کے سوال؟

ان صفحات کے لئے صرف ایسے سوال ارسال کیجئے جو دینی علمی ادبی اور معاشرتی ہوں عام دلچسپی رکھتے ہوں اور ان کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہو مشہور اور اختلافی مسائل سے پرہیز کیجئے، تمام قابل اشاعت سوال باری باری شائع کئے جائیں گے۔

ادارہ

جمعہ کی سنتوں کی تعداد

"ظہر کی کل کتنی رکعتیں ہیں؟ کیا ان کی تعداد میں ائمہ کا اختلاف ہے؟"

ڈاکٹر ایس، ایم صدیق سندیلوی
سکھر

جہاں تک فرض نماز کی رکعتوں کا تعلق ہے، ان کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب کے نزدیک ظہر کی چار رکعتیں اور جمعہ کی دو رکعتیں ہوتی ہیں، ظہر کی سنتوں کے بارے میں بھی اتنی بات متفق علیہ ہے کہ ان کی تعداد چھ ہے، چار فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد، البتہ اتنا اختلاف ضرور ہے کہ فرضوں سے پہلے کی چار رکعتیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ہی سلام کیساتھ پڑھی جاتی ہیں، اور امام شافعیؒ انہیں دو دو رکعتیں کر کے (دو سلام کے ساتھ) پڑھنے کو افضل سمجھتے ہیں، (فتح القدیر ص ۳۱۷ ج اول)

اب جمعہ کا معاملہ رہ جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مذہب اس معاملہ میں یہ ہے کہ جمعہ میں چار رکعتیں فرض نماز سے پہلے اور چار رکعتیں فرض نماز کے بعد سنت مؤکدہ ہیں، ابن ماجہ وغیرہ کی بعض احادیث اسی کی تائید کرتی ہیں (رد المحتار ص ۶۳۰ ج اول استنبول) لیکن حنفیہؒ ہی کے بعض مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ فرضوں کے بعد ظہر کی طرح صرف دو رکعتیں مسنون ہیں (فتح القدیر ص ۳۱۶ ج اول)

امام ابویوسفؒ جمعہ کے بعد چھ رکعتوں کو سنت قرار دیتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، اسی وجہ سے متاخرین علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنی چاہئیں، پہلے چار، پھر دو، تاکہ تمام فقہاء کے مذہب کے مطابق سنت ادا ہو جائے۔ شیخ ابراہیم حلبیؒ شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔

"والأفضل أن یصلي أربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف"

افضل یہ ہے کہ پہلے چار پھر دو رکعتیں پڑھی جائیں تاکہ اختلاف باقی نہ رہے۔
(غنیۃ المستملی ص ۳۷۳ مجتبائی ۱۳۲۳ھ)

ایک حدیث یا مقولہ

از راہ کرم اس حدیث کے معانی سمجھا دیجئے کہ
"ألا إن أولیاء اللہ لا یموتون......الخ"
(بشیر گیلانی، ٹمپل روڈ لاہور)

یہ الفاظ احادیث کے کسی مجموعہ میں ہمیں نہیں ملے، یہاں تک کہ موضوع احادیث کے مجموعے "اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" (للحافظ السیوطیؒ) اور الاحادیث الموضوعۃ للشوکانی

بھی اس سے خالی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ کسی کا مقولہ ہے حدیث نہیں ہے، بہرحال اگر اس جملہ کا یہ مطلب لیا جائے کہ اولیار اللہ اپنے کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوتے ہیں تو درست ہے لیکن اگر یہ مطلب لیا جائے کہ اولیاء اللہ کو موت نہیں آتی تو غلط ہے، قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے

سمتِ قبلہ

نماز پڑھتے وقت کعبہ کا تعین مغرب کی سمت میں کیا جاتا ہو، جبکہ ضروری نہیں کہ دنیا کے ہر حصے کے لئے یہ اصول درست ہو، اگر یہ اصول محض اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ تمام مسلمان ایک سمت کو سجدہ کریں تو نماز میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ "میرا رُخ کعبے شریف کی طرف ہے"، جبکہ ہم کو یقین ہے کہ ہمارا منہ مغرب کی طرف ہے"

(ضیاء الحسن خاں، مارٹن کوارٹرز کراچی)

غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کہیں آباد ہوں، نماز کے وقت مغرب کا رُخ کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، اصل میں ہمیں نماز کے اندر کعبہ مشرفہ کی طرف رُخ کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان وغیرہ کے لحاظ سے چونکہ کعبہ مغرب کی سمت میں ہے، اس لئے یہاں کے باشندے مغرب کا رُخ کرتے ہیں، لیکن جو لوگ مغربی ممالک مثلاً یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بستے ہیں وہ نماز کے وقت مغرب کی بجائے مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے باشندے جنوب کی طرف رُخ کرتے ہیں، اور جنوبی افریقہ کے لوگ شمال کی طرف۔ خلاصہ یہ کہ اصل چیز کعبہ ہی کا استقبال ہے، وہ جس خطہ کے لحاظ سے جس سمت میں ہو ادھر ہی کا رُخ کیا جائے گا۔

بنکوں کا سود

"بنک میں جمع شدہ رقم سے اگر ہم سود حاصل نہ کریں تو بینک اس کو خلافِ شرع کاموں میں خرچ کریں گے، خلاف شرع کاموں سے اس رقم کو بچانے کے لئے اگر ہم سود لیکر کسی غریب طالب علم، بیوہ یا یتیم بچے کی مدد کردیں تو جائز ہے یا نہیں"

(ایضاً)

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ بینک آپ کے جمع شدہ روپے پر جو رقم سود کے طور پر لگاتے ہیں وہ شرعی اعتبار سے آپ کی ملک نہیں ہوتی، اور جو رقم آپ کی ملکیت نہ ہو، آپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اور کو صدقہ یا ہبہ کریں، یہ درست ہے کہ بینک عام طور سے یہ رقم ناجائز کاروبار سے حاصل کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص حرام مال کمائے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے، آپ اسے نصیحت تو کرسکتے ہیں، مگر اس سے وہ مال ناجائز طریقہ سے لیکر کسی غریب کو نہیں دے سکتے،

رہا یہ معاملہ کہ سود کی رقم اگر بینکوں میں چھوڑ دی جائے تو اس سے ان کو ناجائز کاموں میں اعانت ہوگی، سو اس قسم کی اعانت تو محض بنک میں روپیہ جمع کرانے سے بھی ہوتی ہے، اسی لئے علماء کا کہنا یہ ہے کہ بینک میں روپیہ جمع کرانا ضروری ہو تو اُسے چالو کھاتہ (Current Account) میں جمع کرایا جائے جس میں گردش کا احتمال چونکہ کم ہوتا ہو اس لئے اس پر عام طور سے سود لگایا ہی نہیں جاتا۔

خلاصہ یہ کہ سود کی رقم از خود لینا تو جائز نہیں، ہاں اگر اتفاقاً کسی وجہ سے سود آپ کے پاس پہنچ جائے تو مجبوراً اس کا راستہ یہ ہے کہ اُسے کسی غریب پر (جو مستحق زکوٰۃ ہو) صدقہ کردیا جائے۔

اعجاز احمد خان سنگھانوی

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات سے اقتباسات

(۱) یہ مشہور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک بیوی جنّیہ تھی جس کے بطن سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے دریافت کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ ہر عجیب چیز کو جنّات کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے عمدہ اور عجیب چیز کو عبقری کہتے ہیں۔ کیونکہ عبقر نام ایک وادی کا ہے جس کے متعلق مشہور یہ ہے کہ اس میں جنّات رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد بن الحنفیہؒ اور ان کے بھائیوں کے متعلق کسی نے بطور مدح کے کہا ہے ع

بنو جنیۃ ولدت سیوفا

وہ ایک جنّیہ عورت کی اولاد ہیں جس نے تلواریں جنی ہیں۔

اس سے کسی کو شبہ ہوگیا کہ وہ جنّیہ کی اولاد ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو حیرت انگیز شجاعت کی وجہ سے شاعر نے بنو جنّیہ کہدیا ہے۔ (خاتمہ السوانح ص۱۲)

(۲) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فرمایا کہ مراد آباد میں ایک مرتبہ مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ایک عجیب روایت بیان کی تھی جبکہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ:-

"کیا جنّات بھی زمین میں انسان کی طرح دفن کئے جاتے ہیں"

علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ ہوا میں دفن ہوتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ عقلاً تو کچھ مستبعد نہیں کیونکہ اصل دفن کی یہ ہے کہ جس جوہر سے وہ جسم بنا ہے مرنے کے بعد اسی میں اس کو پہنچا دیا جائے۔ انسان پر مٹی کا عنصر غالب ہے اس کو مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ جنّات میں کچھ بعید نہیں نار یا ہوا کا عنصر غالب ہو اور اسی مرکز میں ان کو بعد الموت پہنچایا جاتا ہو۔ (خاتمہ السوانح ص۱۲)

اس تراشے کی جگہ دوسرا مضمون حاضر ہے "ادارہ"

(۳) حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی نے فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب ایک ذہین آدمی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ہندوؤں میں مُردے جلانے کی رسم یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دیوتاؤں کے تعامل سے چلی ہے کیونکہ دیوتا ان کے جنّات ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں بوجہ ناری الاصل ہونے کے جلانے کا دستور ہو ان کو دیکھ کر بے سمجھے ہندوؤں نے بھی ان کی تقلید کرلی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ کوئی روایت تو نہیں مگر کچھ مستبعد بھی نہیں۔ (خاتمہ السوانح ص۱۲)

(۴) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے عجیب جامعیت عطا فرمائی تھی۔ ہر کام میں رائے رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سلطنت کی قابلیت عالمگیرؒ سے زیادہ شاہجہاں بادشاہ میں تھی حالانکہ دین داری میں یقیناً عالمگیرؒ بڑھے ہوئے تھے مگر لکل فنّ رجال۔ (خاتمہ السوانح ص۱۲)

(۵) ملّاح کشتی چلانے والے کو کہتے ہیں حالانکہ ملّاح کے

لغوی معنی نمک بنانے والے کے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے فرمایا کہ چونکہ یہ لوگ سمندر کے کنارے کشتی بھی چلاتے تھے اور نمک بھی بناتے تھے اس لئے اسی مناسبت سے ملاح مشہور ہوگئے۔ (ملفوظات حصہ اول ص۹۴)

(۶) حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ "یہودی" حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی اولاد [۱] ہیں۔

(ملفوظات حصہ اول ص۹۴)

(۷) حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "قرآن" لغت کے اعتبار سے کہاں سے ماخوذ ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "قرآن"

قرأت الماء فی الحوض

میں نے حوض میں پانی جمع کیا

سے ہے۔ اہلِ عرب یوں ہی بولتے تھے۔ پس یہاں جمع کے معنی ملحوظ ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جمع کرنے کا مفہوم قرآن میں اس طور پر پایا جاتا ہے کہ حروف جمع ہو کر کلمات بنے کلمات جمع ہو کر آیتیں بنیں۔ آیتیں جمع ہو کر سورتیں بنیں۔ سورتیں جمع ہو کر قرآن شریف ہوا۔ (ملفوظات حصہ اول ص۹۴)

(۸) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا شاہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب کبریٰ کیوں پڑا، کبریٰ تو مؤنث کا صیغہ ہے۔ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ یہ بڑے مناظر آدمی تھے تو ان کا لقب دراصل صاحب مناظرہ کبریٰ تھا بعد کو اور سب تو حذف ہوگیا صرف کبریٰ مشہور ہوگیا۔

(ملفوظات حصہ اول ص۹۷)

(۹) حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ مصلح کے لئے متقی ہونا ضروری ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔

"سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو"۔

اصلاح کی خدمت سے پہلے فاتقوا اللہ فرما کر بتا دیا کہ تقویٰ ضروری ہے، تقویٰ کی برکت سے مصلح کی بات کا اثر پڑتا ہے۔ (ملفوظات حصہ دوم ص۷)

(۱۰) حضرت علامہ شعرانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جس حاجت کی کسی مخلوق سے اطلاع نہ کرے پہلے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرے پھر تدبیر میں مشغول ہو تو وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(ملفوظات حصہ دوم ص۲۹)

(۱۱) مصر کے لوگ مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا دیوتا "آمن را ع" تھا یعنی سورج دیوتا نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور پوری طرح نشوونما پا چکا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بادشاہوں نے "نیم خدا" کی حیثیت اختیار کرلی تھی ان کا نام "فارا ع" اس لئے ہوا کہ وہ "آمن را ع" یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے یہی "فارا ع" عبرانی زبان میں "فارعون" اور عربی زبان میں "فرعون" کہلاتا ہے۔ یہ شاہان مصر کا لقب تھا، کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے۔ فراعنہ مصر کا زمانہ تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر ۳۳۲ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم ص۴۲ محرم ۱۳۷۴ھ)

[۱] یہ یہودیوں کے صرف ایک قبیلے کی وجہ تسمیہ ہے، ورنہ باقی یہودیوں کو ریاست یہودا کی طرف نسبت کی وجہ سے یہودی کہا جاتا ہے۔ (مدیر)

یہ مغربی تہذیب ہے!

انساں کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

تجریدی مصوری

تجریدی مصوری (Abstract Art) کے نام سے کون ناواقف ہوگا؟ ہر جدت پسند کی زبان سے اس کی تعریف و توصیف کے قصیدے سُنے جا سکتے ہیں اس مصوری کا موجد "پکاسو" ہے، جسے اس آرٹ کے شائقین مصوری کا بادشاہ کہتے ہیں —— لیکن شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ دسمبر ۱۹۶۴ء میں اس نے ایک ایسا بیان جاری کیا ہے جو ہر جدت پسند کے لئے سُرمۂ بصیرت ہے، ناقابلِ تجنیبی پیرس کے سہ ماہی رسالہ "لیونگ میوزیم" کے حوالہ سے اس مصور کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ:

"میں اب تک وہ تمام بے ہنگم شکلیں پیش کرتا رہا ہوں جو کسی طرح بھی میرے دماغ میں آگئیں اور حال یہ ہے کہ لوگ میری تصویروں کو جتنا کم سمجھے، اتنی ہی وہ ان کی قدر کرنے اور داد دینے میں آگے بڑھتے رہے، ان کھیلوں اور کرتبوں سے میں خود محظوظ ہوتا رہا اور حماقت آمیز چیزیں برابر پیش کرتا رہا میری تصویروں نے پہیلیوں کی حیثیت حاصل کرلی، اور میں ان کے ذریعہ سے شہرت بھی حاصل کرتا رہا اور دولت بھی، چنانچہ اب میں دنیا کا ایک مشہور شخص ہوں اور دولت مند بھی۔ تاہم جب تنہا ہوتا ہوں تو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اپنے کو عظیم مصور یا آرٹسٹ کے لقب سے منسوب کروں"۔

(ماخوذ از صدق جدید لکھنؤ ۲۵ ردسمبر ۱۹۶۴ء)

امریکہ میں جرائم

واشنگٹن ۱۴ مئی (اے پ/اپ ا) صدر جانسن نے کہا ہے کہ امریکہ میں جرائم نے سنگین صورت اختیار کرلی ہے اور امن کے بدلے دوسرے نمبر کا اہم مسئلہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ ایسا ہے جسے عوام کے تعاون کے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا (جنگ کراچی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء)

لیکن قانون کے رکھوالے؟

واشنگٹن ۱۶ اپریل ۱۹۶۷ء (اے پ/اپ ان) یہاں ایک کمیٹی نے امریکہ میں جرائم کی وارداتوں کے تشویشناک اضافے پر غور کرنے اور ان کی روک تھام کی سفارشات پیش کرنے کے سلسلہ میں ایک جامع رپورٹ تیار کی ہے، رپورٹ میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا گیا ہے کہ سرکاری اعداد و شمار میں جرائم کی وارداتوں میں ۶۶ فیصد کمی دکھائی گئی ہے جو بالکل غلط ہے کمیٹی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پولیس کا ہر افسر جرائم کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح سرکاری اعداد و شمار جوں کے توں رہتے ہیں، کمیٹی نے دوسرا سنسنی خیز انکشاف یہ کیا ہے کہ امریکہ میں جرائم کی شرح میں آبادی سے زیادہ اضافہ ہو رہا ہے (مشرق کراچی ۱۷ اپریل ۱۹۶۷ء)

نقد و نظر

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمایئے۔ ادارہ)

دنیا کے بہترین تریسٹھ سال

مرتبہ جناب محمد نجم احسن صاحب

نگرامی بی ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل بی، ناشر محمد کلیم صاحب ایم ۔ اے فرودگاہِ رضوان ۵/۱۲ ایف II ناظم آباد کراچی ۔ کتابت متوسط طباعت اور کاغذ معیاری عکسی، ضخامت ۷۵ صفحات ۔ سرورق نہایت خوشنما ۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

یہ کتاب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ایک مجازِ صحبت جناب محمد نجم احسن صاحب نگرامی کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مختصر مگر دلنشین انداز میں سن وار پیش کیا گیا ہے، سیرت کے موضوع پر اب تک بیشمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اختصار کے ساتھ سیرت کے تمام اہم واقعات کو جمع کر دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے بے حد مفید ہو گیا ہے جو مختصر وقت میں سیرت طیبہ کا ایک اجمالی نقشہ ذہن میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے لئے بھی ایک مفید یادداشت کا کام دے سکتا ہے جو سیرت کی مفصل کتابیں پڑھ چکے ہیں، تمام واقعات مستند اور قابل اعتماد ہیں آخر میں تعددِ ازدواج کے موضوع پر بھی مختصر مگر مؤثر کلام کیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ گیارہ ازواج مطہرات کے اسماء گرامی، سنۂ نکاح، عمر بوقت نکاح، سنۂ وفات عمر بوقت وفات، مدفن ۔ آپ کی خدمت میں رہنے کی کل مدت اور نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک پر مشتمل ایک مفید نقشہ دیا گیا ہے، مؤلف اور ناشر دونوں اس پیشکش پر مبارکباد کے مستحق ہیں (م ۔ ت ۔ ع)

صحیفۂ اہل حدیث

نگراں: مولانا حافظ عبدالغفار سلفی امام جماعت غرباء

اہل حدیث، مدیر عبدالجلیل خاں دہلوی قیمت فی پرچہ چالیس پیسے، پتہ: دفتر صحیفۂ اہل حدیث، آرٹیلری میدان ۱ کراچی ۱ پاکستان ۔ پندرہ روزہ رسالہ جماعت غرباء اہل حدیث کا ترجمان ہے، اور سالہا سال سے نکل رہا ہے ۔ ہمارے پاس ماہ صفر کے دو شمارے بغرض تبصرہ بھیجے گئے ہیں، مجموعی طور پر رسالے کے مضامین علمی اور دینی ہوتے ہیں، اہل حدیث حضرات میں جماعت غرباء اہل حدیث متشدد ترین جماعت ہے اور اس کا تشدد اس رسالہ میں بھی واضح طور سے جھلکتا ہے ۔ ہم نے ابتک اس رسالہ کے جتنے شمارے دیکھے ہیں ان میں سے بیشتر کا مرکزی موضوع تقلید کی مذمت ہی پایا ۔ زیر تبصرہ دو شماروں کا بھی اکثر حصہ اسی موضوع کے لئے وقف ہے ۔ اندازِ بیان اور اسلوبِ تنقید کا اندازہ کرنے کے لئے اداریہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو ۱۶ صفر کے شمارے سے لیا گیا ہے ۔

"تقلید نا سدید ایک ایسا مہلک مرض ہے کہ جس کو بھی یہ لگ گیا وہ مفلوج ہو کر رہ گیا اس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے، وہ آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا، زبان سے گونگا ماؤف الدماغ، ناکارہ دل غرضیکہ گوشت

پوست کا ایک غیر متحرک ڈھانچہ بلکہ لوتھڑا
بنکر رہ گیا" (ص ۲)

ایک قسط وار مضمون "التقلید" کا ایک جملہ
"حقیقت یہ ہے کہ توحید و سنت کی جو سمجھ
بوجھ خدا نے اہل حدیثوں کو دی ہے، تمام
فرقے اللہ کی اس نعمت سے محروم ہیں" (ص ۲)
یکم صفر کے شمارے کے حصۂ "نظم" سے ایک اقتباس
یہ تقلید شخصی کہاں آگئی
دلوں کو یہ کمبخت کیوں بھاگئی

بشر کو یہ تقلید اندھا کرے
مقلد نہ رب جہاں سو ڈرے

ہوئے سب کرشمے یہ تقلید کے
لیا پھیر منہ حق کی تہدید سے (ص ۱۴)

ہمیں اس موقعہ پر اس رسالے کے کارپرداز حضرات سے یہ درد مندانہ گذارش کرنی ہے کہ "تقلید" اور "عدم تقلید" کے موضوعات پر اب تک اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اس پر اضافہ مشکل ہے، اس کے باوجود کیا اس وقت اس موضوع پر طول طویل بحثیں۔ عیسائیت، انکار حدیث، قادیانیت تحریف دین اور مغربیت کے فتنوں کے مقابلے سے بھی زیادہ ضروری ہیں جو رفتہ رفتہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان کی راہ میں چند گنی چنی رکاوٹوں کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں ہے؟ اور اگر فرض کیجئے کہ ان تمام فتنوں سے قطع نظر کر کے صرف "تقلید" ہی کی تردید کو آپ بحالات موجودہ زیادہ مفید سمجھتے ہیں تو کیا اس پر تنقید کرتے وقت نرم، سنجیدہ اور باوقار لب ولہجہ استعمال نہیں کیا جا سکتا؟ اگر "فرعون" جیسے متمرد اور سرکش انسان کے مقابلہ کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "قول لین" اختیار کرنے کا حکم دیا جا سکتا ہے تو کیا امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کرنے والے اس حکم کے تحت نہیں آتے؟ اہل حدیث حضرات کے دوسرے رسالے بھی ہماری نظر سے گذرتے رہتے ہیں، لیکن ان میں یہ انداز و اسلوب ہمیں نظر نہیں آیا جو "صحیفۂ اہل حدیث" نے اختیار کیا ہوا ہے، یہ برادرانہ شکوہ ہم اس امید پر پیش کر رہے ہیں کہ متعلقہ حضرات اس پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم اور خدمتِ دین کے صحیح راستے کی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

(م ۔ ت ۔ ع)

تعلیمات اسلام

مؤلفہ حضرت مولانا سمیع اللہ خاں صاحب شروانی،
شائع کردہ مولانا وکیل احمد صاحب شروانی مدرس
جامعہ اشرفیہ ۔ نیلا گنبد ۔ لاہور۔

اس کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد و ضروریات کو سوال و جواب کے طرز پر بیان کیا گیا ہے، آسمانی کتابوں کی ضرورت، قرآن پاک کے آسمانی ہونے کے دلائل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ختم نبوت کے دلائل، عصمت انبیاء، افضلیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معجزات اور معراج کا اثبات صحابہ کرامؓ کی افضلیت کا بیان مختصر اور عام فہم انداز میں کیا گیا ہے، آخر میں اغلاط العوام کے نام سے ان غلط عقائد و خیالات کی ایک فہرست دی گئی ہے جو ناخواندہ عوام میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ کتاب بچوں اور عورتوں اور کم پڑھے لکھے مردوں کو پڑھانے کے لائق ہے، انداز بیان بحیثیت مجموعی عام فہم ہے، بہت سے اعتراضات کا دلنشین جواب بھی اس میں آگیا ہے، کتابت و طباعت اور بہتر ہوتی تو اچھا تھا۔

(م ۔ ت ۔ ع)

کل کے معمار

محمد اسحاق جہلمی
درجہ ہفتم، دارالعلوم کراچی

محدثین کے حیرت انگیز حافظے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس طرح اس مظہر باطل صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت، جاں نثاری اور عشق کا مظاہرہ کیا، آپ کے ارشادات پر اپنی جانیں تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، اسی طرح آپ کی سنت کو باقی رکھنے کے لئے بھی انھوں نے زندۂ جاوید مثالیں پیش کیں، کوئی کلمہ یا کوئی جملہ زبان نبوت سے معرض وجود میں نہیں آیا جو صحابہؓ کے ذہن پر نقش نہ ہوگیا ہو

دوسرے دور میں حضرات تابعین نے بھی اپنی محبت وسرفروشی کے ایسے نمونے فراہم کئے جن کی نظیر سے تاریخ قاصر ہے اور ان حضرات سے فیض پانے والوں نے بھی آپ کے ارشادات کی بہت نمایاں خدمات انجام دیں، —— رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے سفر کی دشواریاں اور صعوبتیں سہیں، ایسے علم کو اپنا مشغلۂ زندگی بنایا، —— اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو ایسی غیر معمولی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی تھیں، جو علوم نبوت کے لئے ناگزیر تھیں، —— انہی میں سے ایک اہم چیز قوتِ حافظہ ہے۔ حفاظت حدیث کے عظیم الشان مقصد کے لئے محدثین کو جو حیرت انگیز حافظے عطا کئے گئے تھے ان کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ عام انسانی معیار سے یہ بہت بلند حضرات پیدا ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ قدرت ان سے دین کے ایک اہم ستون کی پاسبانی کرائے۔ چند واقعات مثال کے طور پر حاضر ہیں۔

حضرت ابوہریرہ

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز "میں" اور حضرت ابوہریرہ اور ایک دوسرے ساتھی مل کر حق تعالیٰ کی عبادت ومناجات میں مشغول تھے کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ہم سب خاموش ہوگئے، حضورؐ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کر رہے تھے، اسے پھر کرو۔ ہمارے ساتھی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور دعا شروع کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین کہی —— اور پھر میں نے دعا کی تو پھر آپؐ نے آمین کہی، اور جب ابوہریرہؓ کی باری آئی تو انھوں نے ان الفاظ سے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَاسَئَلَكَ صَاحِبَیَ وَاَسْئَلُكَ عِلْمًا لَایُنْسٰی،

اے اللہ میں آپ سے وہ دعا مانگتا ہوں جو میرے ان دونوں ساتھیوں نے مانگی، اور ساتھ ہی ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو کبھی نہ بھولوں، اس پر بھی آپؐ نے آمین کہی، ——

ہم دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم بھی ایسے ہی علم کی دعا کرتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسرا آدمی تم سے بازی لے گیا۔

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۵ مطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر)

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، کہ تم غنیمت کے اموال کا مجھ کر

سوال کیوں نہیں کرتے جیسا کہ تمہارے دوسرے ساتھی کرتے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ میں تو آپؐ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ علوم الٰہیہ میں سے مجھے کچھ تعلیم فرما دیں ۔ اس وقت میں ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا، میں نے اس چادر کو اتار کر اپنے اور رسول کریمؐ کے درمیان بچھا دیا، آپؐ نے کچھ ارشاد فرمایا، جب آپ کی بات ختم ہوگئی تو فرمایا کہ اس چادر کو اب اپنے جسم سے ملا لو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد سے میں آپ کی بات کا ایک حرف بھی نہیں بھولتا،

(صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۸۶ دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۵۵ھ والاصابہ ج ۴ ص ۲۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ احادیث بکثرت بیان فرمایا کرتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ عبدالملک ابن مروان نے جو ان دنوں خلیفہ تھے آپ کا امتحان لینا چاہا، آپ کو دربار میں بلایا، اور پس پردہ کاتب کو بٹھا دیا، اور احادیث پوچھنی شروع کر دیں، وہ کاتب احادیث لکھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس نے بہت سی احادیث لکھ لیں پھر ایک سال کے بعد حضرت ابوہریرہ رضؓ سے اسی ترتیب کی حدیثیں سننے کی درخواست کی تو آپ نے ان احادیث کو دوبارہ بیان فرمایا، حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے جاتے تھے اور وہ کاتب دوبارہ پس پردہ ان احادیث کو کتاب سے ملاتا جاتا تھا یہاں تک کہ ابوہریرہ رضؓ نے پوری احادیث سنا دیں، ان مکتوبہ احادیث میں اور آپ کے بیان میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی واقع نہیں ہوئی۔

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۳ مکتبہ تجاریہ بمصر)

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے ابن شہاب زہریؒ کا (جو مکہ مکرمہ کے جلیل القدر محدث تھے) حفظ حدیث کا امتحان کرنا چاہا - چنانچہ ان سے درخواست کی کہ شاہزادہ کے لئے کچھ احادیث لکھوا دیں امام زہریؒ راضی ہوگئے اور ایک نشست میں چار سو حدیثیں لکھوا دیں، جب ایک ماہ کے بعد امام زہریؒ پھر کسی کام سے دوبارہ دربار میں تشریف لائے تو ہشام بہت حسرت و افسوس سے کہنے لگا "اِنّ ذالک الکتاب قد ضاع" افسوس! وہ کتاب تو ضائع ہوگئی! امام زہری رحؒ نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں پھر لکھ لو، چنانچہ امام زہریؒ نے وہی چار سو حدیثیں پھر لکھا دیں، حقیقت میں پہلی لکھی ہوئی کتاب گم نہیں ہوئی تھی، ہشام نے امتحاناً ایسا کیا تھا، چنانچہ جب امام زہری رحؒ دربار سے اٹھ کر چلے گئے تو ہشام نے ان احادیث کو پہلے لکھی ہوئی کتاب سے ملایا، تو ہو بہو وہی احادیث نکلیں، ایک حرف کو بھی بدلا ہوا نہ پایا

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ)

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

مندرجۂ ذیل سوالات ہمیں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر کے ایک طالبعلم عبدالحق مجاہد صاحب نے بھیجے ہیں، دوسرے دینی مدارس کے طلبا ان کے جواب ہمیں اس طرح ارسال کریں کہ ۱۸ ربیع الثانی سے پہلے ہمیں مل جائیں، بالکل صحیح جوابات پر چھ ماہ کے لئے اور ایک غلطی پر تین ماہ کیلئے البلاغ مفت جاری کیا جائے گا۔

(۱) وہ کونسے صحابی ہیں جو تابعی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

(۲) وہ کونسی سنت ہے جس کا ثواب فرض سے زیادہ ہے۔

(۳) وہ کونسے دو مستحب ہیں جن کا ثواب واجبات سے زیادہ ہے۔

(۴) وہ کونسا بادشاہ ہے جس نے قتل ہونے کے بعد اپنے قاتل کو قتل کر دیا۔

(۵) وہ کونسے امام ہیں جن کا اپنا نام بھی محمد تھا، ان کے والد ماجد کا نام بھی محمد تھا اور دادا کا نام احمد تھا۔

(۶) وہ کونسی قبر تھی جو خود بھی زندہ تھی اور اس کا مردہ بھی زندہ تھا اور وہ اپنے مردہ کو سیر کراتی پھرتی تھی، پھر وہ مردہ قبر سے باہر آکر فوت ہوا۔

(۷) ابن جوزیؒ کا اسم گرامی اور سنہ وفات تحریر کیجئے۔

(۸) علامہ توربشتی شارح مشکوٰۃ کا نام لکھئے۔

حضرت وحشی کی کمال فراست اور بے نظیر حافظہ

جعفر بن عمرو الضمری کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوا، راستہ میں عبید اللہ نے کہا کہ آؤ حضرت وحشیؓ (قاتل حمزہؓ) سے ملتے چلیں، چنانچہ ہم دونوں وہاں پہنچے، سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، عبید اللہ نے اپنے پورے منہ کو عمامہ سے لپیٹ رکھا تھا، اور صرف ان کی آنکھیں اور پاؤں ہی کھلے ہوئے تھے۔ عبید اللہ نے کہا اے وحشی! تم مجھے پہچانتے ہو؟ تو انھوں نے نظر ڈالی اور کہا نہیں، واللہ اس سے زیادہ نہیں کہ مجھے علم ہے کہ عدی بن الخیار نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، میں نے اس بچہ کو گود میں لیکر اس کی والدہ کے ساتھ ساتھ دودھ پلانے والی کے پاس پہنچا دیا تھا اس وقت میں گویا اس بچے کے پاؤں کو دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۸۳ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

امام بخاری کا بے نظیر حافظہ

آپ کو بچپن ہی سے احادیث یاد کرنے کا شوق تھا، چنانچہ دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ مکتب میں جس جگہ کوئی حدیث سنتے فوراً یاد کر لیتے۔

بخارا میں اس وقت امام داخلی مشہور محدث تھے امام بخاری نے ان کے پاس آمد و رفت شروع کی، ایک روز امام داخلی رح لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے، ان کی زبان سے ایک حدیث کی سند اس طرح نکلی کہ سفیان نے ابو الزبیر سے انھوں نے ابراہیم سے روایت کی، بخاری رح فوراً بول پڑے کہ حضرت ابو الزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے، داخلی نے مکان پر اصل یادداشتوں سے مراجعت کی تو غلطی واقعی نکلی، واپس آکر امام بخاریؒ کو بلایا اور پوچھا کہ صحیح کس طرح ہے؟ تو انھوں نے فرمایا سفیان زبیر بن عدی سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، داخلی نے کہا کہ تم صحیح کہتے ہو سند اسی طرح ہے

(مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۹ مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجنور)

مشہور ہے کہ یہ واقعہ امام بخاری کی گیارہ سال کی عمر کا ہے۔ (انوار الباری)

ایسا ہی ایک واقعہ حاشد ابن اسماعیل نے بیان کیا کہ امام بخاری رح میرے ہمراہ شیوخ وقت کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے، ہم لوگ شیخ کی بیان کی ہوئی احادیث لکھا کرتے تھے، مگر امام بخاری کچھ نہ لکھتے تھے، ہم لوگ ان پر اعتراض کرتے تھے کہ جب آپ لکھتے نہیں تو درس میں شرکت سے کیا فائدہ؟ —— پندرہ یا سولہ روز کے بعد امام بخاریؒ نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے تنگ کر دیا، اچھا میری یادداشت سے اپنے نوشتوں کا مقابلہ کرو۔! حاشد کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت تک پندرہ ہزار حدیثیں لکھ لی تھیں بخاری نے وہ سب ہمیں اپنی یاد سے سنا دیں جس سے ہم کو حیرت ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ)

حافظ ابو زرعہؒ

حافظ ابو زرعہؒ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں ابو جعفر التستری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حافظ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پچاس سال ہوئے میں نے کچھ حدیثیں لکھی تھیں، اور اس کے بعد ان کے مطالعہ کا کبھی اتفاق نہیں ہوا، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کس کتاب میں ہیں اور کس صفحہ پر ہیں اور کونسی سطر میں ہیں (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ)

انہیں کے عہد میں ایک شخص بایں مضمون قسم اٹھا بیٹھا کہ اگر ابو زرعہؒ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق کہنے کو تو اس شخص نے کہہ دیا لیکن بعد میں بہت نادم ہوا، اسی ندامت و پریشانی کی حالت میں آکر ابو زرعہ سے اپنی سرگذشت سنائی تو انھوں نے فرمایا "امسك زوجتك" اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، اس لئے کہ تم اپنی قسم میں

گرمیوں میں
بہار
کالطف!
گرمی کی زحمت اور سختی سے بچنے کے لئے
روح افزا کی تازگی بخش تاثیر سے فائدہ اٹھایئے اور
اس موسم میں اس کا مسلسل استعمال رکھئے۔ یہ خوش ذائقہ
فرحت بخش مشروب ہر شخص کو بھاتا اور گرمی میں
بہار کا سماں پیدا کرتا ہے۔
کوئی اور مشروب اس کا مقابل نہیں۔
روح افزا
مشروب مشرق
ہمدرد فروٹ پروڈکٹس
لاہور - کراچی
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HAMDARD FRUIT PRODUCTS PAK.
HFP
LAHORE
united
H.R.A.1/25.
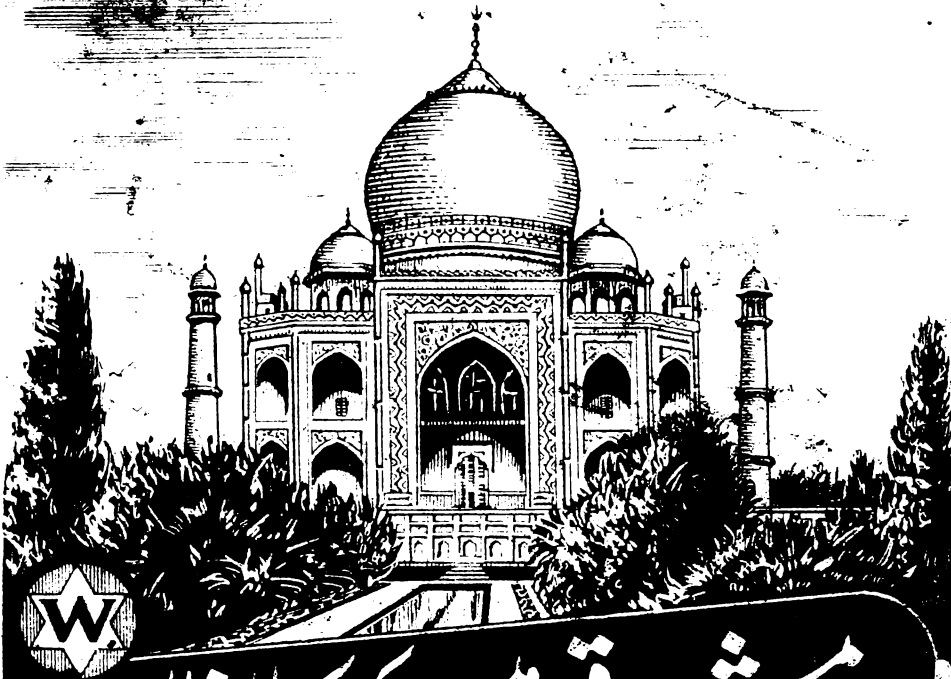
پبلیشر: مفتی محمد شفیع دفتر البلاغ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
پرنٹر: انٹرنیشنل پریس باہتمام مستفیض احمد صدیقی